خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ

ملّیہ

فیصل آباد
پاکستان

صفر المظفر ۱۴۴۷ھ

اگست 2025ء

- رئیس الاحرار
  حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ
- مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی
- حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
- مجلس نفیس
- خواتین کے صفحات — خادمۃ القرآن

بیاد

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ فیصل آباد

041-8711569

www.milliafsd.com

غرض و دلیل

ابنِ نفیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

نہیں ہے ختمِ رُسل کا زماں ، مکاں میں مثیل
وجود ان کا ہے دونوں جہاں کی غرض و اصیل

جہاں میں اسمِ محمد ﷺ کا فیض ہے سب پر
شعور و عقل و خرد میں ہے ذات اُن کی دلیل

ملا ہے حسنِ محمد ﷺ سے دلبروں کو عروج
ہیں عکسِ روئے منور سے سب حسین و جمیل

ملی ہیں دونوں جہانوں میں عظمتیں اُس کو
کہ پائے خاک میں اُن کے ہوا جو جا کے قتیل

ہمیشہ فاش ہوئے اُن سے راز وہ سب پر
کہ روح جن کے نہ ہونے سے ہوگئی تھی علیل

شعور اُن سے بشر کو ہے رفعتوں کا ملا
وگرنہ ہو ہی گیا تھا یہ ظلمتوں میں ذلیل

دیا ہے حسن و لطافت کو چاہتوں کا شعور
بنا کے قدرتِ حق نے وجود اُن کا جمیل

نہیں حبیبؔ سواء اُن کے چارہ گر کوئی
وہی تو روزِ قیامت سبھی کے ہونگے وکیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے

خانقاہ حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کا ترجمان

آئینہ ملیہ

فیصل آباد پاکستان

صفر المظفر ۱۴۴۷ھ

شمارہ نمبر 2 جلد نمبر 22

بمطابق اگست 2025ء

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

امیر ثالث تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

بیاد

مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی شاہ

حضرت مولانا ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز سید نفیس الحسینی

فہرست مضامین

* رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ — مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی	2
* امام الانبیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و اخلاق	11
* مجالس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ	15
* مجلس نفیس	18
* حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	22
* تاریخ ختم نبوۃ تاریخ کے آئینے میں	27
* غذا اور صحت	32
* خواتین کے صفحات — خادمۃ القرآن	36
* بچوں کے صفحات	39

مدیر: مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی

مدیر مسئول: مولانا جواد الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 80 روپے

پاکستان میں سالانہ 1000 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 100 امریکی ڈالر

رابطہ کیلئے: ملحقہ مِلیہ جامعہ ملیہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد پاکستان

041-8711569, 0321-6611910

ناشر: حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مطبع: ظفر اعد فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

رئیس الاحرار
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

حمادالرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی: اما بعد!

برصغیر کے عظیم خانوادہ کے فرزند جلیل اور ہمارے جدامجد رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی پیدائش صفر کے مہینہ میں ہوئی اور وفات ستمبر میں، اسی مناسبت سے ایک مضمون ان کی حیات مبارکہ پر شامل اشاعت کیا جارہا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

"حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ وہ عظیم ہستی ہیں جن کے خاندان نے انگریز کے خلاف کلمۂ حق بلند کیا، انگریز کی جابرانہ حکومت سے ٹکر لی جس کی وجہ سے ان کے خاندان کو پابند سلاسل کیا گیا، اس خاندان کے بزرگوں میں مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ، مولانا محمد صاحب لدھیانویؒ، مولانا عبدالعزیز صاحب لدھیانویؒ ہیں۔ جنہوں نے انگریز کے خلاف جنگ کا آغاز کیا اور اسی خاندان کو یہ سعادت حاصل ہے کہ سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

یہ لوگ تو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے آباؤاجداد تھے، ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد زکریا صاحب لدھیانوی ایک قلندر صفت درجے، بسے ہوئے بزرگ، پختہ عالم، درویش صفت انسان، بزرگوں اور علماء کے ہمنشین اور بڑے بڑے وزراء وحکام وقت پر اپنے دینی دبدبہ کے ساتھ موثر تھے۔

مولانا محمد زکریا لدھیانوی جمعہ کے دن محلہ موچپورہ اپنے گھر سے کمپنی باغ کی شاہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے تشریف لاتے تھے تو راستے میں کئی بازاروں کے دکاندار اس خوف سے اپنی دکانیں بند کرلیتے تھے کہ مولانا ادھر سے گذریں گے اور اگر نماز جمعہ کے قریب میں ہماری دکانیں کھلی ہوئی پائیں گے تو خفا ہوں گے۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ ۱۱ر صفر ۱۳۱۰ھ بمطابق ۳ر جولائی ۱۸۹۲ء کو لدھیانہ میں پیدا ہوئے، قرآن مجید اور اردو کی تعلیم لدھیانہ کے مدرسہ میں پائی، پھر نکودر ضلع جالندھر اور امرتسر کے

مدرسوں میں پڑھا، ۱۳۳۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حضرت سید محمد انور شاہ صاحب سے تعلیم حاصل کی ، یہاں حضرت شاہ صاحب کی صحبت میں انہیں فہم قرآن سے شغف پیدا ہوا جو سیاسی مصروفیتوں کے باوجود ساری عمر جاری رہا۔

۱۹۱۴ء میں یورپ کی پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی اور ترکوں پر انگریزوں کے ظلم کی داستانیں اخبارات میں شائع ہونے لگیں۔ دوسرے اہل دل کی طرح مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی بھی جنگ بلقان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہی دنوں لدھیانہ میں ایک تقریر کی ، زندگی میں مولانا کی پہلی تقریر تھی جس نے شہری عوام کو ترکوں کا ہمدرد اور انگریزوں کا دشمن بنادیا ، یہ خبر جب مولانا محمد زکریا لدھیانوی تک پہنچی تو وہ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کو لے کر اسی صبح دیوبند روانہ ہو گئے کیونکہ شہر میں مولانا کی گرفتاری کی افواہ عام تھی۔ ان دنوں مدرسہ دیوبند کے مہتمم مولانا حبیب الرحمن عثمانی اور شیخ الحدیث مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری تھے، انہوں نے اپنے ہونہار شاگرد کی تربیت اپنے خاص اہتمام سے کی۔

۱۹۱۹ء کے حادثہ جلیانوالہ باغ کے بعد جو لوگ نکھر کر سیاسی میدان میں آئے ، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ان لوگوں کی صف اول میں شمار ہوتے ہیں ، مدرسہ دیوبند میں تعلیم کے دوران مولانا حبیب الرحمن اپنے استاذ محترم اور شیخ الحدیث کی اجازت سے مولانا شبیر احمد عثمانی کی معیت میں سیاسی اجتماعات میں شرکت کرتے رہے، ان واقعات کی اطلاع جب ان کے والد کو ہوئی تو آپ دیوبند پہنچے ، مہتمم مدرسہ نے مولانا زکریا لدھیانوی سے کہا: ''آپ کا بیٹا پھانسی کی سزا سے تو بچ رہے گا لیکن اسے جیل جانے سے نہیں روکا جاسکتا، لہٰذا اب انہیں سیاسی کام کرنے کی اجازت دے دیجیے۔''

اس طرح مولانا حبیب الرحمن کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ دسمبر ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں مسلم لیگ ، کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند کے مشترک اجلاس ہوئے ،، اس میں مسلم لیگ نے جس کے صدر حکیم اجمل خان مرحوم تھے اعلان کیا کہ آئندہ مسلمان برادری اہل وطن کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے گائے ذبح نہیں کریں گے۔ اسی طرح کانگریس کے پنڈال سے باہر پانچوں نمازوں کا اہتمام ہندو اور سکھ والنٹیر کرتے تھے ، اس انداز سے مذہبی عبادگاہوں کا احترام بھی بڑھنے لگا۔ امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا مشہور خونی واقعہ پیش آیا جس نے قوم کے جذبہ حریت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ان جذبات کی رعایت کرتے ہوئے قوموں نے کچھ وقت کے لیے اپنے فروعی اور مذہبی اصول اس حد تک نظر انداز کر دیئے کہ غیر ملکی سامراج کو اپنی موت دکھائی دینے لگی ، آزادیٔ وطن کے لیے باہم اشتراک اس حد تک بڑھا کہ

انگریزوں کو اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ بالآخر ہنگامی تحریک کے وائسرائے ہند نے اچانک ایک آرڈی نینس جاری کیا کہ جو شخص خلافت، کانگریس یا جمعیۃ علمائے ہند کا والنٹیر بنے گا اس کو چھ ماہ قید کی سزا ہوگی اور جو والنٹیر بھرتی کرے گا اس کو تین سال قید کی سزا دی جائے گی۔

اس تحریک کی ابتدا میں مولانا حبیب الرحمٰن کو والنٹیر بننے اور بنانے کے جرم میں ۲۲/دسمبر ۱۹۲۱ء کی صبح ان کے گھر سے گرفتار کر لیا گیا اور تھوڑے دنوں کے بعد چھ ماہ قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی، یہ سزا جون ۱۹۲۲ء میں ختم ہوئی اور جرمانہ باقی تھا کہ حکومت نے اس کی وصولی کے لیے مولانا حبیب الرحمٰن کے گھر کا تمام اثاثہ یہاں تک کہ بچوں کے معمولی زیور اور کپڑے تک اتروا کر سرِعام نیلام کر کے جرمانہ وصول کر لیا۔

۸/جون ۱۹۲۲ء کو مولانا حبیب الرحمٰنؒ کی رہائی کا دن تھا اور بظاہر انہیں اس غرض سے دھرم سالہ جیل سے لدھیانہ جیل میں منتقل کر دیا اور اسی روز بجائے رہائی کے ایک دوسرے مقدمے کے لیے دفعہ ۱۰۸ کے تحت وارنٹ دکھلا کر پھر جیل میں رکھ لیا، کچھ دنوں بعد ایک سال کی قید کی مزید سزا کا حکم سنا دیا گیا اور ۳۰/اگست ۱۹۲۲ء کو پھر دھرم سالہ جیل میں پہنچا دیا گیا اور یہیں شیخ حسام الدین سے ان کی پہلی دفعہ ملاقات ہوئی، یہ سزا ختم کر کے مولانا ۱۶/مئی ۱۹۲۳ء کو رہا ہوئے۔

آتے ہی آپ کو پنجاب خلافت کمیٹی کا ناظم اعلیٰ منتخب کر لیا گیا۔ ہندو مسلم اتحاد کے صاف شفاف پانی کو گدلا کرنے کے لیے ۱۹۲۳ء میں محرم کے دنوں میں سب سے پہلا ہندو مسلم فساد ملتان میں کرایا گیا۔ یہی فرقہ وارانہ تحریک آگے بڑھی کہ سارا ہندوستان اس آگ میں جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ ان لوگوں کی قربانیاں موسم سرما کی چاندنی راتوں کی طرح ضائع ہو گئیں جنہوں نے وطن عزیز کو غیر ملکی اقتدار سے نجات کے لیے اپنے مصائب میں ڈالا تھا۔

۱۹۲۷ء کے وسط میں لاہور کے ایک ہندو ناشر راجپال نے ایک کتاب شائع کی جس میں خاتم الانبیاء حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ اطہر پر ایسے گندے چھینٹے ڈالے کہ پنجاب کا مسلمان بے قرار ہو گیا۔ اس کے خلاف ۴، ۵/جولائی ۱۹۲۷ء کی درمیانی رات کو لاہور، دہلی دروازہ سے باہر ایک اجتماع ہوا، جس میں مولانا حبیب الرحمٰنؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور خواجہ عبدالرحمٰن غازی نے شرکت کی اور چوہدری افضل حقؒ نے صدارت کی، انہی تقریروں کے اثرات تھے کہ غازی علم الدین شہید نے راجپال کو قتل کر دیا۔ ۱۰/جولائی کو مولانا حبیب الرحمٰنؒ زیرِ دفعہ ۱۰۷ تحت

کے تحت لدھیانہ سے گرفتار کر لیے گئے، جبکہ ان کے رفقاء امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، غازی عبدالرحمٰن کو لاہور سے گرفتار کر لیا گیا، ہر سہ رہنماؤں کو ایک ایک سال کی سزا ہوئی، مولانا حبیب الرحمٰنؒ کی یہ تیسری گرفتاری اور سزایابی تھی۔

فرنگی سیاست دانوں نے ہندوستان کے باہمی اتحاد کی عمارت میں آگ لگا کر افغانستان کے شاہ غازی امان اللہ کو بھی اس جرأت کی سزا دینی چاہی کہ اس نے تحریک ہجرت کے موقعہ پر ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ کیوں دی، چنانچہ افغانستان کے چند نام نہاد مولویوں نے انگریزی سیاست کے پس منظر میں امان اللہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس موقعہ پر مولانا حبیب الرحمٰنؒ لدھیانوی پہلے ہندوستانی مسلمان تھے جنہوں نے شاہ افغانستان کے حق میں آواز بلند کی۔

۱۹۳۰ء کے نمک ستیہ گرہ کا آغاز ۱۳؍مارچ ۱۹۳۰ء کو ہوا۔ لیکن مولانا حبیب الرحمٰنؒ نے اس سے بیشتر ۱۱؍مارچ کو لدھیانہ کے ہزاروں عوام کی موجوگی میں دریائے ستلج کے کنارے نمک بنا کر انگریز کے خلاف سول نافرمانی کا اعلان کر دیا۔ اس جرم میں مولانا حبیب الرحمٰنؒ کو ۲۳؍اپریل ۱۹۳۰ء کو اپنے مکان (لدھیانہ) سے دفعہ ۱۰۸ اور ۱۲۴ الف کے تحت گرفتار کر لیا، انہی دنوں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مولانا حبیب الرحمٰنؒ صاحب سے لدھیانہ جیل میں ملاقات کی تا کہ امروہہ ضلع مراد آباد میں ۳، ۴، ۵، ۶؍مئی کو منعقد ہونے والے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس کی بنا پر پیش کی جا رہی ہے، مقدمہ کی کاروائی سے لاتعلق رہ کر مولانا حبیب الرحمٰنؒ نے ۲۷؍مئی ۱۹۳۰ء کو عدالت میں ایک بیان دیا جو انگریز حکومت کے سخت خلاف تھا، اس تحریری بیان کے بعد مولانا حبیب الرحمٰنؒ کو ایک سال قید کی سزا ہوئی اور انہیں لدھیانہ جیل سے گجرات جیل میں منتقل کر دیا گیا جہاں سے وہ مئی ۱۹۳۱ء کو رہا ہوئے اور اس کے بعد مجلس احرار کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔

۱۹۲۹ء میں مجلس احرار کے قیام کے وقت اس میں شامل ہو گئے تھے اور کچھ ہی عرصے کے بعد انہیں مجلس احرار کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ مولانا حبیب الرحمٰنؒ مختلف سیاسی تحریکوں میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے، وہ شروع ہی میں جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہو گئے تھے اور ۱۹۵۰ء تک برابر جمعیۃ علماء ہند کے رکن رہے، ان کی پوری زندگی سیاسی مشاغل میں گزری۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰنؒ لدھیانوی وہ مجاہد جلیل ہیں جنہوں نے انگریز کا ڈٹ کر

مقابلہ کیا اور گیارہ برس تک جیل کی اندھیری کوٹھڑیوں میں گزارے۔

تقریباً چالیس سال وہ ہندوستان کی سیاسی فضا میں ایک آندھی کی طرح گرم رفتار رہے، ہندوستان کی کونسی ایسی حریت پسند جماعت ہے جس سے مولانا کا قریبی تعلق نہ رہا ہو، کانگریس، جمعیۃ علماء ہند، خلافت کمیٹی اور آخر میں ان کا اوڑھنا بچھونا جماعت احرار تھی جس کے وہ رئیس الاحرار تھے۔ احرار کے پچاس ہزار رضا کار تھے جن کی قیادت وہ انجام دیتے تھے، اس جماعت کا دائرہ کار پنجاب خصوصی طور پر اور یوپی میں سہارنپور، میرٹھ، مراد آباد، بجنور، دہلی اور کشمیر تک سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ پنجاب بشمول ہندوستان کی سیاسی گتھیوں کو وہ اپنے ناخن تدبیر سے کھولتے اور ہر تحریک میں ان کی قائدانہ شرکت ہوتی۔

بالآخر آزادی کا جو خواب وہ خاندانی طور پر دیکھ رہے تھے، ۱۹۴۷ء میں اس کی بھیانک تعبیر سامنے آئی، مہیب و مدہوش اس لیے کہ وہی لدھیانہ جوان کی جائے پیدائش تھی اور جہاں کے ذرے ذرے میں وہ آزادی کے نقیب کی حیثیت سے روح پھونک چکے تھے آزادی نے اس لدھیانہ کو اجڑا ہوا دیار اور ان کی آنکھوں کے سامنے شہر خموشاں بنا دیا۔

اسی لدھیانہ میں ان کا گھر اجڑا، ان پر حملہ ہوا اور معاشی ابتریوں کا شکار ہوئے، انہوں نے آنکھیں چرائیں، غیروں نے آنکھیں دکھائیں، ایک کیمپ میں وہ مقیم رہے اور ایک مہاجر قافلہ میں بعنوان ہجرت اس پاکستان (کے شہر لاہور) میں ان کو پناہ ملی جس کے تخیل کی پاتال پر ربع صدی انہوں نے تیشہ زنی کی تھی۔

ہندوستان کی سیاست اگر ہچکولے لے رہی تھیں تو ان زلزلوں کا شکار کم از کم مولانا حبیب الرحمنؒ کو نہیں ہونا چاہیے تھا، وہ دوبارہ ہندوستان آئے (اور مستقل طور پر دہلی میں مقیم ہو گئے) لیکن یہاں زمین و آسمان بدل چکا تھا، اپنی جلیل خدمات کا کوئی گراں قیمت معاوضہ تو درکنار اس ساری فدائیت کا کوئی معترف بھی نہیں ملتا تھا۔ غالباً ان کا سکون دل ہلا، ان کے دماغ نے جواب دے دیا، ان کے عزائم ٹھٹھر گئے۔

عمر کے آخری دس سال انہوں نے دہلی میں گزارے، اس مدت میں فرقہ وارانہ اتحاد کے لیے وہ مسلسل جدوجہد کرتے رہے، مشرقی پنجاب میں مساجد اور اسلامی اوقات کی واگزاری کی کوشش میں لگے رہے، مظلوموں اور ضرورت مندوں کی خدمت گزاری ان کا عزیز ترین مشغلہ تھا۔

سیاسی بکھیڑوں کے باوجود دعوتی رنگ بھی ان پر غالب تھا اور غیر مسلم حلقے کو اسلام کی خوبی وزیبائی پر مطلع کرنے کی تڑپ سے خالی نہیں تھے۔ تقسیم ہند کے بعد ہندو فرقہ پرستوں نے آذان کی آواز کو بند کرنے کی کوشش کی اور آذان پر اپنی ناگواری کا اظہار کیا تو مولانا نے ان ناگوار جذبات کو ایک عجیب انداز میں ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا، آذان کا ہندی ترجمہ شائع کیا اور غالباً اس کے ساتھ مختصر تشریح بھی، خاص اشاعت غیر مسلم حلقہ میں آگئی اور بتایا گیا کہ خدا کی عبادت کے لیے یہ دعوت خود اپنی تعبیر میں کتنی شیریں اور کتنی لطیف ہے، مولانا کی یہ کوشش بروئے کار آئی اور آذان کی آوازوں سے بدکنے والے طبقے ان حلاوت آمیز کلمات کا مٹھاس خود محسوس کرنے لگا۔

غیر مسلم دوست احباب کا وسیع ترین حلقہ جو انہوں نے اپنی ذاتی صلاحیتوں سے بنایا تھا، اسے اسلام کی خوبیوں پر مطلع کرتے اور اس طرح بلاوجہ بدگمانی کی بناء پر اس تلخی اور بعد کو دور فرماتے جو مختلف مذاہب میں دیدہ و دانستہ اسلام کے خلاف پیدا کردی گئی ہے۔

سیاسی جھمیلوں میں باقاعدگی کے ساتھ شریک رہنے کے باوجود وہ فطری طور پر علمی ذوق کے آدمی تھے، صبح کو ان کے یہاں حاضرین مجلس کے سامنے ایک تفسیری نشست ہوتی جس میں قرآن مجید کے متعدد تراجم پڑھے جاتے اور مولانا تفسیری نکات اہتمام سے بیان فرماتے، حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ترجمہ سے انہیں عشق تھا اور اس پاکیزہ والہامی ترجمہ کے مسلسل مطالعہ سے اس کی گہرائی وگیرائی پر مکمل واقفیت رکھتے تھے، عام مجلسوں میں بھی آیات قرآنی اور حضرت شاہ صاحب کے افادات کو جاذب انداز میں پیش فرماتے، اپنے استاد حضرت علامہ کشمیریؒ کے ارشادات پر بھی عبور تھا۔

ان تمام سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کے باوجود ان کا دل حب رسول ﷺ اور عشق نبوی ﷺ سے سرشار تھا، ادھر مولانا حبیب الرحمٰنؒ کا شباب تھا اور دوسری طرف سارقان ختم نبوت قادیانی دجل

وفریب کی شکل میں مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ زن تھے، ان کی جماعت احرار نے دین کے سب سے بڑے مہلک فتنہ کو محسوس کیا اور احرار کی تمام توانائیاں دین محمدی کے خلاف اس کھلی بغاوت کو کچلنے کی خاطر جمع کردی گئیں، انہوں نے قادیان میں نعرہ حق بلند کیا اور کشمیر تک اس آواز کو پھیلا دیا۔

انجمن خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور کا سالانہ جلسہ تھا، حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریر پورے شباب پر تھی، موضوع تھا ختم نبوت، مجمع مسحور تھا، مولانا حبیب الرحمٰنؒ لدھیانوی اٹھے اور لوگوں سے کہا کہ بھئی، بخاری صاحب قادیانیت کے خلاف جو کام کر رہے ہیں اس کا ساتھ دو گے۔ لوگوں نے ایمان پرور اور جہاد آفرین نعرے لگا کر ہاتھ اٹھائے، اجتماع میں جوش وخروش تھا۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اٹھے اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی بیعت کی اور آپ کو ''امیر شریعت'' کا خطاب دیا، دوسرے نمبر پر بیعت کرنے والے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تھے، اور تیسرے بیعت کرنے والے مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ تھے، اس کے بعد پانچ سو علماء نے بیعت کی۔

احرار پارٹی میں جمع ہونے والے اعلیٰ سطح کے جملہ افراد خطابت کے جوہر سے مالا مال تھے اور چھوٹے بڑے تمام ہی احراری تقریباً ایک پر جوش خطابت کا کامل و مکمل نمونہ تھے، ہر ایک کا رنگ جدا اور طرز نرالا تھا۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی تقریر اور خطابت بھی ایک امتیازی وصف لیے ہوئے ہوتی تھی، وہ بالعموم کرسی پر بیٹھ کر تقریر کرتے اور ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھ لیتے اور ان کے خطابت کی غزل شروع ہوتی، غزل کی طرح ہر مصرع جدا ہوتا، لب ولہجہ کی شوکت بھاری بھرکم انداز، جس بات کو کہتے وسیع انداز میں، جس مصرع کو اٹھاتے قیامت بنا دیتے، ایک مصرعہ سنانے کے بعد اپنے داہنے ہاتھ سے داڑھی کو موڑتے اور ہونٹوں میں دبا لیتے، وہ دوران خطابت اس کا بھی اندازہ لگا لیتے کہ مجمع ان کی منثور غزل سے کس حد تک متاثر ہو رہا ہے، ٹھیک ان اوقات میں چشمہ کے نیلگوں گلاس کے عقب سے وہ اپنی عقابی نظروں کو اذہان کے تجسس میں روانہ کرتے اور اس احتساب کے بعد مصرع ثانی اٹھاتے، تقریر پنجابی آمیز اردو میں ہوتی، وہ بین الاقوامی سیاست پر تبصرہ کرنے کے بعد اچانک مجمع سے کہتے، میں دریافت کرنا چاہتا ہوں'' کبھی کبھی اپنی پارٹی کی عظیم اکثریت کا بیان کرتے تو لہجہ کی پوری قوت واستحکام کے ساتھ فرماتے ''میرے پاس نصف لاکھ تعداد میں رضا کار ہیں، یہ ہندوستان کی تمام

قوم پرور پارٹیوں میں ایک منفرد خصوصیت ہے۔“

فرنگی سیاست کے تار پود بکھیرتے، ملکی سیاست پر تبصرہ ہوتا اور بین الاقوامی سیاسی مدوجزر کی نشاندہی کرتے، تقریر کا اختتام بہت البیلا تھا، وہ عام مقررین کی طرح خاتمہ پر دھیرے دھیرے پہنچنے کے عادی نہیں تھے، بلکہ اچانک کسی جملے کو پہلے سے زیادہ پرشکوہ انداز میں کہتے اور دفعتاً کرسی سے اٹھ جاتے۔

ان کا قلب اپنے اساتذہ کی عظمت اور اہل اللہ کے احترام سے لبریز تھا مگر یہ احساس عظمت، مصنوعی تکلف کی شکل کبھی اختیار نہ کرتا، دہلی میں ایک بار ان کے ایک صاحبزادے نے ہندوستان کے ایک باعظمت صاحبزادے کی شان میں کوئی ناروا بات کہہ دی، وہ تیزی کے ساتھ اٹھے اور اپنے پاؤں کا جوتا اٹھا کر بے تکلف اپنے اس بچہ پر پل گئے، یہ تعبیر صورت واقعہ کی حقیقی ترجمانی کے لیے اختیار کی گئی ہے، کہتے جاتے تھے کہ ”وہ صاحبزادہ تجھ سے ہزار درجہ بہتر اور اس کا باپ تیرے باپ سے لاکھوں مراحل آگے ہے، پھر تجھے کیا ہے کہ اس صاحبزادے کے بارے میں ایسی نازیبا بات منہ سے نکالے۔“

غرضیکہ اپنے اکابر سے والہانہ تعلق اور ان کے متعلقین کی خبر گیری مرحوم کا خاص امتیاز تھا، ایک دفعہ بستی نظام الدین دہلی تشریف لے گئے اور رئیس التبلیغ مولانا محمد یوسف صاحبؒ، امیر جماعت تبلیغی سے فرمایا کہ ”اپنی جماعت میں مولوی اور لیڈروں کو مت گھسنے دینا ورنہ تیری ساری تحریک ودعوت تباہ ہوجائے گی۔“ امیر جماعت تبلیغی سے پوچھا کہ یوسف صحیح صحیح بتا کر تیرا جواہر لال کی حکومت کے بارے میں کیا خیال ہے، اس پر مولوی صاحب بولے کہ مولانا ہر رات تہجد کے بعد دعا کرتا ہوں، اے اللہ! اگر جواہر لال کی حکومت آپ کے لیے پسندیدہ ہے تو اسے بقاء طویل عطا فرما اور اگر ناپسندیدہ ہے تو اس کا بیڑا غرق کردے۔ فرمانے لگے کہ میں نے یہ بات جواہر لال نہرو کو سنائی تو اس نے پرزور قہقہہ لگایا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سیاسی مسلک سے مولانا اختلاف فرمانے لگے تھے، مگر گاہ بگاہ پوری نیازمندی کے ساتھ حضرت مولانا تھانویؒ کے یہاں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ لے کر حاضری دیتے تھے، شاہ صاحبؒ بخاری کی طرف حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کو متوجہ فرمانے کا سہرا ابھی مولانا ہی کے سر تھا، پنجاب کے متعدد سفروں میں وہ حضرت شاہ صاحب بخاری کو ساتھ لے کر حضرت مولانا محمد انور شاہؒ کے ساتھ رہے اور بار بار شاہ صاحب بخاریؒ کو لے کر علامہ محمد انور شاہؒ کے

یہاں مقیم رہے اوران کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے۔

وہ اپنے مذہبی عقائد اور سیاسی خیالات میں پختہ تھے مگر دوسرے خیالات کے لوگوں سے کھل کر ملتے اوران سے شفقت آمیز تعلقات رکھتے تھے، یہ ہی وجہ تھی کہ بہت سے خیالات کے افراد ان کے اردگرد جمع ہوتے، سیاسی بحث ومباحثے بھی ہوتے اور مذہبی مسائل پر اظہار خیال کرتے، مولانا بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتے مگر دوسروں کے خیالات بھی ٹھنڈے دل کے ساتھ سنتے اوران کی تردید میں ایسا انداز اختیار نہ فرماتے تھے کہ ذاتی طور پر ان لوگوں کی دل شکنی ہوتی، مولانا کی ذات اوران کا گھر سلجھے ہوئے شریف لوگوں، قومی کارکنوں اخبار کے ایڈیٹروں، کالج کے پروفیسروں، دینی مدارس کے علماء، شعراء اور ادباء کا مرکز تھا، سیاسیات سے تعلق رکھنے والے اکثر لوگوں نے ان کی خدمت میں صرف اس لیے حاضری دی کہ ان کے اشارات کی روشنی میں اپنے خیالات مرتب کریں۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ؒ جرأت وبے باکی، صاف بیانی میں اپنی مثال آپ تھے، تمام چوٹی کے سیاسی لیڈران کی قدر فرماتے تھے، ان کے مشوروں کو گوش ہوش سے سنتے تھے اور مولانا بے دھڑک اپنے دل کی بات ان سے کہہ دیتے اوران کی سرگرمیوں پر انہیں ٹوکتے تھے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی ؒ کی موت کی خبر سن کر امیر شریعت ؒ دن بھر خاموش رہے اور کبھی کبھار ایک آہ سرد کے ساتھ اپنی اس خاموشی کو توڑ کر فرماتے ”ایک اچھے رفیق، مونس وغم خوار اور سراپا ایثار ساتھی کی جدائی نے میرے سینے میں ایک اور زخم کا اضافہ کردیا ہے۔“

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے بیعت سلوک حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری ؒ سے کی تھی، آپ کے صاحبزادگان میں مندرجہ ذیل مشہور ہیں: مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی، مولانا عزیز الرحمٰن جامعی، مولانا سعید الرحمٰن، مولانا خلیل الرحمٰن، مولانا محمد احمد وغیرہ۔

آخر جدوجہد آزادی کا یہ عظیم مجاہد ابھی عمر کی چونسٹھ منزلیں ہی طے کرنے پایا تھا کہ مورخہ ۱۱/ صفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۳/ستمبر ۱۹۵۶ء بروز اتوار راہی ملک بقا ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

جامع مسجد شاہجہانی کے شمالی دروازے کے باہر ایک چھوٹا سا قبرستان ہے جو امام صاحب کا قبرستان کہلاتا ہے اسی قبرستان میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ؒ کو سپرد خاک کیا گیا۔ مولانا لدھیانوی کے لوح مزار پر یہ عبارت منقوش ہے:

انہی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے

امام الانبیاء نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اوصاف واخلاق

امام الانبیاء نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نہایت کامیاب مصلح تھے، آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات بابرکات میں تمام صفات انسانیت بدرجۂ کمال موجود تھیں؛ اس لیے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم افضل الانبیاء وخیر البشر ہیں، دنیا کے دوسرے مصلح اپنی ذاتی صلاحیتوں کی بناء پر اصلاح کرتے ہیں اور ان کی کوششوں میں ذاتی اغراض بھی ہوتے ہیں، وہ اپنا نظریہ حالات کے پیش نظر تبدیل کرتے رہتے ہیں، اس کے برعکس پیغمبر کی تربیت اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں اور وہ مخلوق سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، خدمت خلق کے اندر نبی کی کوئی دنیاوی غرض نہیں ہوتی، اس کے علاوہ نبی ہر کام خدا کے حکم سے کرتا ہے؛ اس لیے نبی حالات سے متاثر نہیں ہوتا، لوگوں کی مخالفت یا موافقت سے اپنے نظریئے میں تبدیلی نہیں کرتا، ہر نبی اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور خاص توجہ کے باعث تمام دنیاوی آلائشوں سے پاک ہوتا ہے، ہر نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔

آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم خیر الانبیاء تھے؛ اس لیے جو جو کمالات تمام انبیاء میں انفرادی طور پر پائے جاتے ہیں، آپ کی اکیلی ذات میں وہ تمام موجود تھے، آپ ہر لحاظ سے افضل ترین نبی ہیں، آپ کی شریعت سب سے بہتر اور مکمل، آپ کی امت تمام امتوں میں افضل، آپ نے اپنی نبوت کا اعلان چالیس سال کی عمر میں فرمایا مگر کمالات اور صفات نبوت آپ میں بچپن سے ہی نمایاں تھیں، نبوت سے پہلے اہل مکہ آپ کے اخلاق، عادات اور حسن سلوک کے مداح تھے، آپ کی سیرتِ طیبہ کے چند پہلو حسب ذیل ہیں:

(۱) صدق: ابتداء ہی سے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم راست باز تھے، ہر معاملہ میں صدق وصفائی سے کام لیتے تھے، غلط باتوں سے آپ نفرت کرتے تھے، اسی لیے آپ کو نبوت سے پہلے ہی "صادق" کہا گیا، آپ کی سچائی کے آپ کے دشمن بھی معترف تھے۔ ایک دفعہ جب آپ کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو بلا کر خطاب کیا اور کہا کہ "اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑی کی دوسری طرف سے بہت بڑا دشمن تم پر حملہ کرنے والا ہے تو تم تسلیم کرو گے؟ تو سب نے بیک آواز جواب دیا۔ ہاں! بے شک تسلیم کریں گے کیونکہ آپ نے کبھی ہم سے جھوٹ نہیں بولا۔ غرض "صدق" آپ کی زندگی کا نمایاں

پہلو تھا کیونکہ جھوٹ بولنے والا کبھی نبی نہیں ہوسکتا۔

(۲) امانت ودیانت: امانت ودیانت کی صفت آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم میں درجۂ کمال تک پہنچی ہوئی تھی، آپ بچپن ہی سے امانت ودیانت میں مشہور تھے، مسلمان اور غیر مسلم سارے ہی آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھواتے تھے، آپ نبوت سے پہلے ہی ''امین'' کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔

(۳) عدل وانصاف: تمام لوگ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نزدیک برابر حیثیت رکھتے تھے، آپ کے ہاں کالے وگورے، امیر وغریب، عربی وعجمی میں کوئی تمیز نہیں تھی، آپ ہمیشہ عدل وانصاف سے کام لیتے تھے، عدل کے بارے میں آپ کسی امیر وغریب کی کوئی رعایت نہیں برتتے تھے۔

ایک دفعہ چوری کے سلسلے میں لوگوں نے ایک عورت کی سفارش کی، اس پر آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: ''خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کٹوا دیتا، عدل وانصاف کے بارے میں آپ کے سامنے کسی کو بھی رنگ ونسل یا مذہب کی بناء پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی۔

(۴) سخاوت: آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم بہت بڑے سخی تھے، آپ کبھی کسی سائل کو محروم نہیں بھیجتے تھے، جو کچھ ہوتا عطا کردیتے، آپ خود فاقہ برداشت کرتے اور سائلوں کو خالی ہاتھ واپس نہ فرماتے، آپ کے پاس جب کہیں سے مالِ غنیمت آتا تو اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے جب تک وہ مال تقسیم نہ کردیتے، کئی دفعہ ایسا ہوا کہ آپ اس وقت تک گھر تشریف نہ لے گئے جب تک مال تقسیم نہ ہوا۔ آپ حاجتمندوں کے حاجت روا تھے، بیواؤں اور یتیموں کے سرپرست اور مصیبت زدہ لوگوں کے سہارا تھے، قرض لے کر بھی لوگوں کی حاجت پوری فرمادیا کرتے تھے، آپ نے اپنی وفات سے پہلے سب مال راہِ خدا میں صدقہ کردیا۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ نبی ایسی حالت میں وفات پائے کہ اس کے گھر میں دنیا کا مال ہو۔

(۵) رحم وعفو: آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم رحم وعفو کا مجسمہ تھے، اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں آپ کو رحمت للعالمین کہہ کر پکارا ہے، آپ نے سخت سے سخت دشمن کو بھی معاف فرمایا۔ آپ نے باوجود قدرت

وطاقت ہونے کے کبھی اپنے دشمنوں سے بھی انتقام نہیں لیا، فتح مکہ کے روز آپ اہل مکہ سے سابقہ ظلم وستم کا بدلہ لے سکتے تھے مگر آپ نے تمام کو معاف کر دیا بلکہ ان کے ساتھ احسان کیا کہ جو جائیداد انہوں نے مسلمانوں سے ہجرت کے وقت چھینی تھی وہ واپس نہ لی، کبھی کسی مخالف کی حق میں بددعا نہ فرمائی، ہمیشہ رحم وعفو سے کام لیا اور گالیاں سن کر دعائیں دیں، آپ کی ان صفات کی وجہ سے تمام لوگ آپ سے محبت کرتے تھے اور بہت لوگ ان صفات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیتے۔

(۶) ایفائے عہد: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عہد وپیمان کے بہت پکے تھے، جو وعدہ کرتے، اسے پورا فرماتے تھے، چاہے کام ہی سے کیوں نہ ہو۔ ایک دفعہ ایک شخص جس سے آپ الین دین تھا، آپ کو ایک جگہ بٹھا کر چلا گیا اور چلتے وقت کہہ گیا کہ میں ابھی آ کر آپ کا حساب کرتا ہوں۔ آپ نے یہیں پر رہیں، وہ گھر جا کر اس بات کو بھول گیا، تیسرے دن جب اسے یاد آیا تو وہاں پہنچا اور دیکھا آپ اسی جگہ تشریف فرما ہیں۔ آپ نے فرمایا ''بھائی! میں اپنے وعدے کے مطابق تین دن سے اسی جگہ انتظار کر رہا ہوں اور اس سے مجھے بہت تکلیف ہوئی۔'' وہ آدمی بہت شرمندہ ہوا، آپ نے اسے معاف کر دیا۔ صلح حدیبیہ میں جو سخت شرائط کافروں نے آپ سے منوائی تھیں ان کو بھی آپ نے خوش دلی سے پورا فرمایا۔

(۷) شجاعت: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے کے اعلیٰ ترین جرنیل تھے، آپ کبھی کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے، بہادری، دلیری اور بے باکی میں آپ اپنی مثال آپ تھے، کفار مکہ نے آپ کی بڑی مخالفت کی، طرح طرح سے پریشان کیا مگر آپ اپنے مشن پر ڈٹے رہے، اعلان نبوت کے بعد بارہا کفار مکہ سے نبرد آزما ہوئے، ہجرت کے بعد بہت سے غزوات میں شریک ہوئے اور مسلمانوں کے لشکروں کی خود کمان کرتے تھے، جنگ احد میں آپ دندان مبارک شہید ہوئے، کچھ مسلمان جنگ کی تاب نہ لاتے ہوئے میدان سے بھاگ نکلے مگر آپ قلیل تعداد کے ساتھ لڑتے رہے اور کامیاب ہوئے، شجاعت کی وجہ سے کافر سامنے آتے ہوئے تھراتے تھے، آپ سخت سے سخت وقت میں بھی نہیں گھبراتے تھے، آپ شجاعت وبہادری کے پہاڑ تھے۔

(۸) حسنِ سلوک اور رواداری: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مجسمہ حسن واخلاق تھی، انسانی اخلاق کے تمام جوہر آپ کی ذات میں اعلیٰ پیمانے پر موجود تھے، آپ نے خود فرمایا کہ میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق کے بارے میں ارشاد فرمایا: ”بے شک آپ اعلیٰ اخلاق والے ہیں۔“

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہی روادار تھے، اپنے تو اپنے، غیروں سے بھی بڑی شفقت سے پیش آتے، جو لوگ آپ سے برا سلوک کرتے ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرتے، فتح مکہ کے موقع اپنی جانی دشمنوں کو معاف فرمایا، آپ کے اخلاق سے کافر بھی متاثر تھے، آپ انسانوں کے بڑے شفیق مہربان اور ہمدرد تھے، آپ میں حیا، محبت، انکساری اور خدمت خلق کے جذبات بدرجہ کمال موجود تھے۔

(۹) سادگی: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سادگی تھی، آپ تمام تکلفات سے بالاتر تھے، کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے، کپڑا پہننے اور رہنے سہنے میں سادگی پسند تھے، جَو کی روٹی کھاتے اور زمین پر سوجاتے، اپنے کاموں کو اپنے ہاتھوں سے کرتے، آپ نے مسلمانوں کو سادگی کی تعلیم دی، آپ نے بادشاہی میں بھی فقیری کی اور مساوات واخوت کی ایسی مثال قائم کی جو ساری انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

(۱۰) خدمتِ خلق: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی خدمتِ خلق میں گزری، آپ یتیموں اور بیواؤں کے ہمیشہ غمگسار اور خیر خواہ رہے، آپ نے ہمیشہ غلاموں اور مظلوموں کی امداد فرمائی۔ اسلام سے پہلے ظلم وستم عام تھا، آپ نے انسانوں کو ہر طرح کی ظلم سے نجات دلائی، ظلمت سے نکال کر ہدایت کی راہ دکھائی، آپ نے ساری زندگی خدمت خلق کے کاموں سے بھری پڑی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کامل ترین انسان تھے، آپ کی ذات تمام عالم کے لیے رحمت تھی، آپ کے اخلاق واوصاف کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ آپ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی سیرتِ طیبہ پر لاکھوں کتابیں لکھی گئی ہیں۔

مجالس
سید الطائفہ قطب العالم قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ

بروز پیر ۴ محرم ۶۸ھ ۸ نومبر ۴۸ء رامپور سٹیٹ

حضرت والا صبح کی سیر میں رامپور کے بازار سے مغرب کی طرف تشریف لے گئے۔ سیر میں حسب معمول گفتگو ہوئی۔ آج وحدت الوجود موضوع تھا کہ اکثر اولیاء وحدت الوجود پر متفق ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو کچھ اختلاف ہے انکا مشاہدہ اس بات میں ذرا اور طرح کا ہے۔ ورنہ زیادہ تر اس راہ میں وحدت الوجود کا ہی مشاہدہ ہے۔ مولانا عبیداللہ صاحب (سندھی) نے ان دنوں مشاہدات میں افق بھی بیان کیا ہے۔

راستہ میں کنور لطف علی خان بھی سیر کرتے ہوئے مجھے ملے۔ معلوم ہوا یہ مولوی عبدالقدیر صاحب منصوری والوں سے تعلق وعقیدت رکھتے ہیں اور ان کی ایک بشارت کے متعلق وزیر ہوئے ہیں۔ عصر کے بعد کی مجلس میں یہ ذکر بھی آیا کہ عالم اسلام میں عرب اور مغربی ملکوں میں تصوف کے بڑے سلسلے تھے۔ اور بعض مشائخ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھی آیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بزرگ کا ذکر کیا گیا جو کابل (افغانستان) کے رہنے والے تھے اور ترک لوگ ان کے گرد زیادہ بیٹھتے تھے، مگر اب یہ سلسلے وہاں سرد پڑ گئے ہیں۔

مغرب کی مجلس میں حضرت والاؒ نے مولوی عبدالوھاب صاحب کے عرض پر فرمایا کہ وہاں یہ ذکر جہر بھی جیسا آپ سمجھتے ہیں صرف نحو کی طرح ہے جو بعد میں ضروری نہیں ہوتا۔ مگر مجھے یہ سوجھتا رہا کہ حضرتؒ والا نے ایک پہلو اسکا یہاں بیان فرمانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ بعد میں بھی تھوڑا بہت کرلیا جائے تو رجعت سے انسان زیادہ محفوظ رہتا ہے۔ نیز حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ

استعداد دیکھ کر ذکر و شغل کرانا چاہیے جس کی استعداد زیادہ نہ ہو اسے تھوڑا چلا کر اسی پر لگے رہنے کی اور دوسرے کام کرنے کو کہنا چاہیے اور جس کی استعداد بلند ہو اسے زیادہ ذکر وغیرہ میں لگنا چاہیے اور خوب لگنا چاہیے اور جس کی استعداد کم ہو اسے تھوڑا ذکر کرنا چاہیے ورنہ دماغ خراب ہو جایا کرتا ہے۔

چنانچہ مرزا پور کے شیخ بندو صاحب کا ذکر فرمایا کہ وہ بہت اچھے چل رہے تھے مگر دماغ پر اثر اس درجہ ہو گیا کہ نماز کی نیت باندھ رکھی ہے اور میں استنجاء وغیرہ کو نکلا تو نیت باندھے باندھے میرے پیچھے ہو لیتے۔ اور ہم رات کو سوتے مگر وہ مراقب رہتے۔ اس زیادتی کے باعث دماغ پر اثر پڑ گیا حالانکہ میں ان کو روکتا تھا مگر وہ باز نہ آتے تھے ہر وقت مراقب رہتے آخر دماغ چل گیا۔

نیز اس بات کی بھی تصویب فرمائی کہ تعلیم میں بھی ہمیں بچوں کی استعداد کے مطابق کام لینا چاہیے۔ جن کا ذہن اور دماغ معمولی ہو انہیں ضروریات کی معمولی تعلیم دے کر کسی کام میں لگنے کا مشورہ دینا چاہیے اور جو لوگ موزوں دماغ ہوں ایسے بھی ضروری ہیں جو کمال حاصل کریں ان میں سے تھوڑی تعداد اس کمال اشاعت پر ہی کمربستہ ہو جائے۔

باقی اور امور کی طرف متوجہ رہیں کہ جب دنیا میں رہنا ہے تو دنیاوی امور پر قابو رکھنا بھی اسلامی اور قومی خدمت ہے اور نیت کے درست ہونے سے عبادت شمار ہو سکتی ہے۔

اور ایک تذکرہ یہ بھی آیا کہ بعض علماء جب ان کی مجلس میں کوئی عامی یا دور کا عالم آئے تو وہ بے توجہ اور بے اعتنائی بے رغبتی برتتے ہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ جتنا ہو سکے اس سے خوش خلقی و توجہ سے ملنا چاہیے۔

اس پر مولانا عبدالوہاب صاحب نے ایک شعر پڑھا جس کا ایک مصرعہ ہے

وہ دشمنی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں

میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں

بروز منگل ۷ محرم ۶۸ھ ۹ نومبر ۴۸ء رامپور سٹیٹ

آج صبح کی سیر میں حضرت اقدس کُھل والی طرف تشریف لے گئے مجمع حضرت والاؒ کے ساتھ زیادہ ہو گیا جو حضرت والا کو عموماً گراں گزرتا ہے۔

واپسی میں ایک مقام پر حضرت والا نے مجھے فرمایا کہ لوگوں نے بنایا ہے یہ ایک مزار ہے ذوقی رام ہندو درویش کا جو سنجان شاہ مسلم درویش کا مرید تھا اور مرنے کے بعد ذوقی رام کو مسلمانوں نے یہاں دفن کر کے یہ مزار بنا دیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ پہلے فرقہ پرستی نہیں تھی میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو تھوڑے دنوں سے سیاسی پروپیگنڈہ نے پیدا کر دی ہے اور انگریزوں کے دور سے پہلے تو اور بھی گھل کر ہندو مسلم رہتے تھے۔ اور بعد کا میرا دیکھا ہوا بھی ایسا حال ہے کہ فرید کوٹ میں ہمارے سرکاری سکول میں میرے ایک استاد پنڈت جبشی رام تھے جو حضرت بابا فریدؒ کے چلہ کے مہتمم سے جن کا نام غوث محمد تھا سے استفادہ کرتے تھے اور ان کے اسلامی خیالات کو ہندو مسلمان سب جانتے تھے اور برداشت کرتے تھے ان استاد صاحب نے ایک کتاب میں حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ کے چلہ سے منسوب گرنتھ صاحب کے کلام کی شرح سلوک فرید کے نام لکھ کر چھپوائی تھی۔

ایک پنڈت جی تھے جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا وہ مسلمانوں کی طرح بال رکھتے تھے اور پہرہ وہ رکھتے تھے کہ وہ بڑی جماعتوں کو پڑھاتے تھے میں چھوٹی جماعت میں تھا مگر مجھے معلوم ہے وہ اسلامی خیالات کے حامل تھے اور میں نے ایک مقامی مسلمان سے ہی سنا ہے کہ بعض اوقات ایسا ہی ہوا کہ مزوعہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز کو پنڈت جی حسب معمول گئے اور وہاں اتفاق سے امام نہ ہوتا تو وہ جمعہ کی نماز پڑھا دیتے اور وہاں کے مسلمان ان کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے حالانکہ وہ پنڈت جی ہندوؤں کی طرح اپنے گھر میں بود و باش رکھتے تھے گویا یہ نفرت، تعصب انگریز کا پیدا کردہ ہے۔

گوشۂ نفیس

مجلس حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہ

گوجرانوالہ کے سفر کے حالات:

صبح پونے آٹھ بجے راقم الحروف، حضرت شاہ صاحبؒ، مولانا انور ثاقب صاحب، رفیع الزمان صاحب کی گاڑی میں گوجرانوالہ مدرسہ نصرت العلوم کیلئے روانہ ہوئے، راستے میں حضرت شاہ صاحبؒ مختلف اُمور پر اکابر کے واقعات سناتے رہے۔

حضرت مولانا سرفراز صاحبؒ کا تذکرہ:

حضرت مولانا سرفراز صاحبؒ کے متعلق بتلایا کہ آپ بڑی پابندی کے ساتھ اسباق پڑھاتے ہیں، پیرانہ سالی کے باوجود ناغہ نہیں ہونے دیتے۔ کہیں جانا ہوتو اسباق سے فارغ ہوکر جاتے ہیں۔تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ کی گاڑی ذاتی کام میں کبھی استعمال نہیں فرماتے تھے۔ایک دفعہ کسی قریبی گاؤں میں جانا تھا کرایہ کے تانگہ میں بیٹھ کر تشریف لے گئے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ گکھڑ سے گوجرانوالہ تشریف لا رہے تھے کہ گاڑی کا ایکیڈنٹ ہوگیا، آپ کو اچھی خاصی چوٹیں آئیں لیکن آپ نے پرواہ نہ کی، ویگن میں بیٹھ کر مدرسہ تشریف لائے اطمینان سے سبق پڑھایا فارغ ہوکر فرمایا کہ بھئی ایسا قصہ ہوگیا، کچھ لوگ جائے حادثہ پر جائیں اور اُن کی خبر لیں اور مجھے بھی چوٹیں آئی ہیں کوئی دوا دارو کریں۔

قُرّ اءحضرات کے رویے پر افسوس:

بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں بات چل پڑی تو فرمایا قُرّ اءحضرات کے رویہ پر سخت افسوس ہوتا ہے کہ یہ بچوں کو مارتے بہت ہیں اور اس وجہ سے پھر خود بھی پریشانیوں کا شکار ہوتے ہیں۔

ایک مدرسہ کے اُستاذ کا حال:

اسی ضمن میں لاہور کے ایک مدرسہ کے اُستاذ کا حال سنایا کہ انہوں نے ایک لڑکے کو ایسا مارا کہ بازو توڑ دیا، اس کے باپ وغیرہ نے قاری صاحب سے بدلہ لیا اور اتنا مارا کہ اَدھ مُوا کر دیا، اور منتظمین پر اصرار کر رہے ہیں کہ انہیں یہاں سے نکالو، وہ اُستاذ لائق ہیں اور اُن کی اہلیہ بھی پڑھاتی ہیں اب اگر وہ وہاں سے جاتے ہیں تو بچے بچیوں سب کا حرج ہے، اس سلسلہ میں فرمایا کہ مجھے تو نظیری نیشاپوری کا یہ شعر پسند ہے

درسِ ادیب اگر بوَد زمزمۂ محبتے
جمعہ بہ مکتب آوَرَد طفلِ گریز پای را

مَیں چاہتا ہوں کہ اسے اسٹکر پر چھاپ کر ہر درس گاہ میں لگواؤں، اسی اثناء میں سفر افغانستان کا ذکر بھی آیا۔

تقریباً سوا نو بجے ہم بعافیت مدرسہ نصرۃ العلوم پہنچ گئے۔ حضرت صوفی صاحبؒ باہر برآمدہ میں چارپائی پر تشریف فرما تھے، پہلے اُنہی سے ملاقات ہوئی۔ حضرت صوفی صاحب ہم سب کو کمرے (دفتر) میں لے گئے، چند لمحے بعد حضرت مولانا سرفراز صاحب تشریف لے آئے، شیخین ساتھ ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرداً فرداً سب کی خیریت معلوم کی۔ حضرت صوفی صاحب سبق پڑھانے کیلئے اجازت لے کر چلے گئے۔

شیخ الحدیث صاحبؒ کے راقم (مولانا نعیم الدین صاحب) سے سوالات:

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ بچے کتنے ہیں؟ مَیں نے عرض کیا الحمدللہ چار ہیں۔ پھر پوچھا لڑکے کتنے ہیں؟ مَیں نے عرض کیا دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ پھر پوچھا شادی کو کتنا عرصہ ہوگیا؟ مَیں نے عرض کیا کہ تقریباً گیارہ سال ہوگئے ہیں۔

مولانا انور ثاقت صاحب نے پوچھا کہ حضرت عبارات اکابر کا دوسرا حصہ کب آئے گا؟ فرمایا بھائی اب تو مجھ سے لکھا نہیں جاتا، نظر کمزور ہوگئی ہے پڑھا بالکل نہیں جاتا، کچا موتیا اُترا ہوا ہے ابھی آپریشن بھی نہیں ہوسکتا۔

ایک استفسار پر فرمایا تین اَسباق میرے ذمہ ہیں (ا) پہلے ترجمۂ قرآن جس میں تیسرے درجہ کے بعد

سے لے کر اوپر کے درجہ تک تمام طلباء کی حاضری ضروری ہے (۲) بخاری شریف (۳) ترمذی شریف تا کتاب البیوع، فرمایا کہ عرصہ سے پڑھا رہا ہوں اس لیے اب ان کے مطالعہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔

مَیں نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت ہمیں حضرت شیخ الحدیث صاحب سے روایتِ حدیث کی اجازت دلوادیں۔ حضرت نے شیخ الحدیث صاحب سے عرض کیا تو فرمایا مجھ میں تو کچھ نہیں چونکہ میری سند عالی ہیں اس لیے لوگ اجازت لیتے ہیں "مَیں آپ کو اجازت دیتا ہوں"۔

باتیں ہوتی رہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ آج کا سفر صرف آپ سے ملاقات کی غرض سے ہوا ہے، مولانا انور ثاقب صاحب کا آپ سے ملنے کو بہت جی چاہتا تھا آپ کی کتابوں سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں جزا دے مَیں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ پھر فرمایا مجھے بہت سے خطوط موصول ہوئے ہیں کہ ہم نے بریلوی علماء اور آپ کی تحریرات کا بڑی سنجیدگی سے موازنہ کیا ہے اور کئی کئی دن موازنہ کرتے رہے ہیں، ہم نے آپ کی تحریرات کو مبنی بر انصاف پایا ہے۔

اسی اَثناء میں ناشتہ آ گیا، ہم لوگ ناشتہ بھی کرتے رہے اور باتیں بھی ہوتی رہیں۔ حضرت (شیخ الحدیث صاحب) تھوڑی دیر بعد معذرت کر کے زنان خانہ تشریف لے گئے اور ہم لوگ مولانا عبدالقیوم صاحب کے کمرہ میں چلے آئے، دوپہر تک وہیں نشست رہی۔ طلباء اور معززین وہیں حضرت شاہ صاحبؒ سے ملنے آتے رہے۔

حضرت صوفی صاحبؒ سبق سے فارغ ہو کر یہیں تشریف لے آئے۔ تبلیغی جماعت، مودودی صاحب اور جاوید احمد غامدی کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔

حضرت صوفی صاحبؒ کی مودودی صاحب کے متعلق رائے:

حضرت صوفی صاحبؒ نے مودودی صاحب کے بارہ میں فرمایا کہ ہم انہیں گمراہ سمجھتے ہیں کافر نہیں سمجھتے۔ فرمایا: میرے ایک ملنے والے ہیں اُن کا لڑکا مودودی ذہن کا بن گیا، مَیں نے اُن سے کہا کہ آپ اسے سمجھاتے نہیں؟ کہنے لگے حضرت مَیں نے اُسے اُس کی حالت پر اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ کہیں خدانخواستہ مرزائی اور پرویزی نہ بن جائے اور ایمان ہی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے، موجودہ صورت

میں کم از کم ایمان تو بچا رہے گا۔

فرمایا: مَیں نے اس سے کہا تھا کہ تمام باتیں چھوڑیے صرف اس چیز کو لیجیے کہ مودودی صاحب نے دجال کے بارہ میں لکھا ہے کہ:

''حضور ﷺ کو اپنے زمانے میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ ہی کے عہد میں ظاہر ہو جائے ، یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور علیہ السلام کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔'' (ترجمان القرآن فرری ۱۹۴۶ء بحوالہ مودودی مذہب ص:۴۱)

اس سے تو صحیح وصریح نصوص کی تکذیب لازم آتی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا محمد علی جالندھریؒ نے ایک دفعہ اپنی تقریر میں مودودی صاحب کے اس نظریہ کی (کہ اضطراری حالت میں زنا کی نسبت متعہ کر لینا بہتر ہے) بڑے لطیف انداز میں تردید کی، فرمایا: مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ: ''فرض کیجیے کہ ایک جہاز سمندر میں ٹوٹ جاتا ہے اور ایک مرد و عورت کسی تختہ پر بہتے ہوئے ایک سنسان جزیرے میں جا پہنچتے ہیں جہاں کوئی آبادی موجود نہ، وہ ایک ساتھ رہنے پر بھی مجبور ہیں اور شرعی شرائط کے مطابق ان کے درمیان نکاح بھی ممکن نہیں ہے ایسی حالت میں ان کیلئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ باہم خود ہی ایجاب وقبول کر کے عارضی نکاح کر لیں۔ الخ'' مولانا نے فرمایا کہ مودودی صاحب! جس سنسان جزیرے میں انسانی آبادی نہیں وہیں دجال ہے، پھر فرمایا مودودی صاحب نے یہ نہ سوچا کہ وہ ایک مرد و عورت یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ بہن بھائی ہوں کیا وہ آپس میں عارضی نکاح کریں گے؟

الغرض شام تک باتوں اور ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا، شام کو ہم لوگ واپس لاہور آگئے۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ

[حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: جہاد کیلئے تربیت ضروری ہے اور حسنِ نیت کے حاصل کیے بغیر جہاد نہیں ہوتا۔ فرمایا: مَیں کہا کرتا ہوں کہ پہاڑ کے برابر عمل ہو لیکن اگر نیت ٹھیک نہیں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں لیکن اگر چھوٹا سا عمل حسنِ نیت کے ساتھ کیا جائے تو وہ کارآمد ہے۔]

خلیفہ رابع حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سیرت اور اُن کے کارنامے

قربِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت علیؓ بچپن سے ہی رسول اللہ ﷺ کے زیرِ سایہ آ گئے تھے، اس لیے ان کا علم و فضل میں کمال حاصل کرنا بالکل فطری بات تھی، شروع ہی سے رشد و ہدایت سے فیض یاب ہوتے رہے، یہی وجہ تھی کہ جب حضورِ اکرم ﷺ نبوت سے سرفراز ہوئے تو بچوں میں سے آپ سب سے پہلے اسلام لائے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات تک ہر موقع ہر جنگ میں آپ شریک رہے، حضورِ اکرم ﷺ کے داماد ہونے کا فخر بھی حاصل ہوا، اسی تقریب کی وجہ سے آپ دن رات دینی علوم سے سرشار ہوتے رہے آیات کی شانِ نزول سے آپ واقف ہوتے اور آیات کی تفسیر رسول اللہ ﷺ سے براہ راست دریافت فرماتے، بچپن سے ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا، اس لیے ابتدائے وحی سے ہی آپ کاتبانِ وحی میں شامل کر لیے گئے، صلح حدیبیہ اور دوسرے کئی صلح نامے اور خطوط آپ ﷺ حضرت علیؓ سے لکھواتے تھے۔

تفسیر و فقہ:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ بہترین مفسرِ قرآن سمجھے جاتے تھے اور خود فرماتے ہیں کہ میں ایک ایک آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ کیوں اور کہاں نازل ہوئی۔ صحابہ کرام میں سے مفسرِ قرآن کی حیثیت سے آپ کے ہم پلہ صرف عبداللہ بن عباسؓ ہی نظر آتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت میں آپ نے چھ ماہ دیر کی اور اس دوران میں آپ نے قرآن کی آیات اور سورتوں کو نزول ترتیب کے ساتھ قلم بند کیا، عہدِ رسالت میں بھی آپ نے حدیثیں لکھی تھیں، لیکن احادیث کا موقع تمام اکابر صحابہ میں سے آپ کو زیادہ ملا کیونکہ آپ نے زیادہ عمر پائی، بہر حال آپ روایت حدیث میں بہت محتاط تھے، اس لیے صرف پانچ چھیاسی احادیث آپ سے مروی ہیں، فقہی مسائل کو حل کرنے کا بھی آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا، حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کئی دفعہ فقہی مسائل کے لیے حضرت علیؓ سے مشورہ

لیتے۔

تقریر و خطابت: حضرت علیؓ تقریر اور خطاب میں خاص مہارت رکھتے تھے اور فصاحت اور بلاغت میں مشہور تھے، آپ ایسی پر اثر تقریر کرتے کہ لوگوں کے ذہن بدل دیتے اور انہیں اپنی رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور کر دیتے، آپ کے خطبات اور تقریریں اس قدر مشہور ہوئیں کہ انہیں ''نہج البلاغت'' کے نام سے چار جلدوں میں مدون کر لیا گیا ہے، اس مجموعے کے متعلق اس کے مصنف نے خود لکھا ہے کہ ان خطبوں نے لاکھوں انسانوں کو فصیح و بلیغ بنا دیا۔

امانت و دیانت: جس طرح آپ علم و فضل میں کمال رکھتے تھے، اس طرح عادات و اخلاق میں بھی نمایاں حیثیت کے مالک تھے، رسول اللہ ﷺ سے تربیت پائی تھی، اس لیے وہی عادات و خصائل آپ میں نظر آتے تھے، آپ نہایت دیانت دار اور امین انسان تھے، ہر کام نہایت ایمانداری سے کرتے اور کسی رشتہ دار اور دوسرے کسی بڑے شخص کی پرواہ نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ کچھ نارنگیاں آئیں، آپ کے صاحبزادوں نے ایک ایک اٹھالی، حضرت علیؓ نے ان سے چھین کر واپس کر دیں اور لوگوں میں تقسیم کروا دیں، مالِ غنیمت آتا تو بڑی احتیاط سے تقسیم کرتے اور کچھ کمی بیشی آجاتی تو قرعہ اندازی سے بانٹ دیتے تاکہ خود بری الذمہ ہو جائیں۔

سادہ زندگی: زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ساری عمر اپنے گھر کے اس مال میں اضافہ نہ ہو جو چند اشیاء پر مشتمل تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی جناب فاطمہؓ کو جہیز میں دیا تھا، جب کوفہ میں مستقل رہائش کے لیے تشریف لائے تو لوگوں نے محلات میں انتظام کر رکھا تھا لیکن حضرت علیؓ نے پسند نہ فرمایا اور کھلے میدان میں رہائش اختیار کی، گھر میں جناب فاطمہؓ خود چکی پیس کر کھانا تیار کرتی تھیں اور باقی سارا کام بھی خود کرتی تھیں، کوئی خادمہ نہ تھی، حضرت علیؓ کو خود فرصت ہوتی تو گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے، نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔

شجاعت: حضرت علیؓ کی شجاعت کا بچپن سے ہی ایک نمایاں وصف تھا، ہجرت مدینہ کے وقت خود جب حضور اکرم ﷺ نے آپ کو اپنے بستر پر سلایا اور خود راتوں رات حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مدینہ چل نکلے اور اس وقت آپ کی عمر بیس بائیس سال تھی، اس نو عمری میں بھی آپ ذرا نہ گھبرائے اور اپنے آپ کو موت سے بے خبر کر کے رات کو سو رہے، غزوۂ بدر اور خیبر میں جو شجاعت آپ نے دکھائی، وہ آج بھی تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے،

اپنے عہد میں وفات تک شورش اور بدامنی پھیلی رہی لیکن حضرت علیؓ کے کبھی پاؤں نہ

لڑکھڑائے اور رات دن نظم ونسق میں مصروف رہتے تھے۔

حسنِ سلوک: حسن سلوک میں بھی آپ کا نمایاں درجہ ہے، آپ بڑی ہمت اور شجاعت سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے لیکن جب دشمن زیر ہو جاتا تو نرمی سے برتاؤ کرتے اور اکثر معاف کر دیتے، جنگ جمل میں اعلان کروادیا کہ زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں اور جو بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کیا جائے، اپنے قاتل ابن ملجم کے لیے وصیت کر دی کہ اعضاء نہ کاٹے جائیں، صرف قصاص میں قتل کیا جائے اور اس کے علاوہ دوسروں پر گرفت نہ کی جائے۔

شہادت: تین خارجیوں عبدالرحمن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمر بن تمیمی نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس ساری افراتفری کا حل یہ ہے کہ ہم تینوں حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کو شہید کر دیں، چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علیؓ کے شہید کرنے کا ذمہ اٹھایا، برک بن عبداللہ نے حضرت امیر معاویہؓ کی شہادت کا اور عمر بن بکر تمیمی نے عمرو ابن العاص کو شہید کرنے کی ذمہ داری لی، تینوں اپنے پروگرام کے مطابق اپنے اپنے مقصد کے لیے روانہ ہو گئے۔

رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو تینوں خارجیوں نے اپنے مقام پر فجر کی نماز کے وقت حملہ کیا، عمرو بن العاصؓ کی بجائے کوئی دوسرا شخص نماز پڑھنے گیا تو وہ شہید ہو گیا، حضرت امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا، ابن ملجم اور شبیب بن بجرہ دونوں حضرت علیؓ کی گزرگاہ پر چھپے ہوئے تھے، آپ فجر کی نماز کے لیے نکلے تو دونوں نے حملہ کر دیا، حضرت علیؓ کو کاری زخم آیا، آپ نے آواز دی، لوگ دوڑ پڑے اور ابن ملجم گرفتار ہوا اور شبیب بھاگنے میں کامیاب ہو گیا، نماز کے بعد ابن ملجم کو حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا،

آپ نے سوالات کے بعد حکم دیا کہ اسے آرام سے رکھا جائے اور لوگوں کو حکم دیا کہ اگر میں جانبر نہ ہوسکوں تو خدا کے حکم کے مطابق قصاص میں اسے قتل کر دینا، اگر بچ گیا تو معاملہ پر خود ہی غور کروں گا، خنجر زہر آلود تھا، زہر تمام جسم میں پھیل گیا، زخمی ہونے کے بعد تیسرے دن ۲۰ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو جام شہادت نوش فرمایا، حضرت حسن و حضرت حسینؓ نے غسل دیا، حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے نمری نامی قبرستان میں سپرد خاک کیا، انتقال کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی، خلافت کی مدت چار سال نو ماہ تھی۔

حضرت علیؓ کے کارنامے

(۱)...... نظام خلافت کی اصلاح:

حضرت علیؓ کا عہد خلافت سارے کا سارا خانہ جنگیوں میں گزرا، اس لیے آپ کو نظامِ حکومت کی اصلاح کے لیے بہت کم وقت ملا، پھر بھی آپ نے جہاں تک ممکن ہوسکا اسے بہتر بنانے کی پوری کوشش کی، حضرت عثمانؓ کے آخری دور میں اموی نوجوانوں کے غلبے سے خلافت کا نظام خلافت راشدہ کی شاہراہ سے ہٹ چلا تھا، آپ نے دوبارہ شیخین کے دور کو زندہ کرنے کی کوشش کی، عثمانی دور میں جو بدعنوانیاں پیدا ہوگئی تھیں، انہیں دور کر کے عہد فاروقی کے نظم ونسق کو بحال کیا، صوبوں کی تقسیم وہی رکھی، البتہ آپ نے عثمان عمال سب بدل دیئے اور دار الخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کر دیا۔

فوجی اصلاح:

حضرت علیؓ فطرتاً سپاہی تھے، اس لیے فوج میں خاص دلچسپی رکھتے تھے، آپ نے حسب ضرورت چھاؤنیاں قائم کیں، قلعے تعمیر کرائے، سرحد شام پر متعدد نئی فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، شعبۂ پولیس کو از نو منظم کر کے اس کا نام شرطہ رکھا، افسر پولس کو صاحب شرطہ کہا جاتا تھا، فوجی اہمیت کے تحت دریائے فرات پر ایک پل تعمیر فرمایا۔

صیغۂ مال:

آپ نے صیغہ مال میں بھی بعض ایسی اصلاحات کیں جن سے آمدنی میں اضافہ ہوگیا، آپ کے دور سے پہلے جنگلات سے کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا تھا، آپ نے انہیں قابل محصول قرار دیا، چنانچہ اکیلے صحرائے برس سے چار ہزار دینار سالانہ کی آمدنی ہونے لگی، اس کے علاوہ اور بھی جنگل تھے بعض چیزوں پر سے محصول اٹھادیا، عہد رسالت میں گھوڑے زکوۃ سے مستثنیٰ تھے لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب ان کی تجارت باقاعدہ ہونے لگی تو آپ نے گھوڑوں پر زکوۃ لگادی لیکن حضرت علیؓ نے اسے منسوخ کر دیا۔

بیت المال کی حفاظت: آپ نے بیت المال کی حفاظت میں حضرت عمرؓ کی طرح اہتمام فرمایا، آپ ایک ایک پیسے کا حساب رکھواتے تھے، اپنی اور اپنے متعلقین کی ذات پر بیت المال کی معمولی چیز بھی خرچ نہ ہونے دیتے تھے۔

ذمیوں کے ساتھ نرمی: آپ ذمیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے تھے، عمال کو ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی ہدایت فرماتے تھے، اہل عجم کے ساتھ اس لطف وکرم کا برتاؤ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اس عربی خلیفہ نے نوشیروان کی یاد تازہ کردی۔

بازار کی نگرانی: بازار کی نگرانی اور نرخ اور ناپ تول کی دیکھ بھال بذات خود کرتے تھے، درہ لے کر بازار میں چلے جاتے اور بیچنے والوں کو حسن معاملات اور ناپ تول میں ایمان داری کی تلقین فرماتے، خلاف ورزی کرنے والوں کو فوراً سزا دیتے۔

عدل وانصاف: آپ کے ایوان عدالت میں بلا امتیاز مذہب وملت، خویش وبیگانہ، امیر وغریب سب برابر تھے، قاضیوں کو پورا پورا اختیار تھا کہ دین حق کے تحت فیصلہ دیں، چاہے مدمخالف خلیفہ ہی کیوں نہ ہو، آپ کے عدل وانصاف کو دیکھ کر غیر مسلم اسلام قبول کر لیتے تھے۔

اشاعتِ دین: علم دین کے ساتھ آپ کو خاص شغف تھا، آپ کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔ آپ قرآن، تفسیر، حدیث فقہ، جملہ دینی علوم کا دریا تھے، آپ نے فن نحو کی بنیاد رکھی، آپ کے ایک غلام ابوالاسود دولی نے نحو کے چیدہ چیدہ قواعد مرتب کیے، جن کی مدد سے عجمی لوگ قرآن مجید بآسانی پڑھنے لگے، آپ تحریر وتقریر کے ذریعے اشاعت دین میں ہر وقت کوشاں رہتے تھے، آپ خود بھی علم نبوت کی عملی تصویر تھے، آپ ہی کی سرگرمی سے یمن میں اسلام کی اشاعت ہوئی، اہل مدینہ آپ ہی سے دینی مسائل پوچھ پوچھ کر جاتے تھے، اسلامی تصوف کے کئی چشمے آپ کی ذات سے ہی پھوٹے۔ پیچیدہ مقامات کا آپ ہی فیصلہ کرتے، آپ نے اپنے علمی خزانے سے ہزارہا مسلمانوں کو مالا مال کردیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر **سب سے پہلا فتوائے تکفیر** تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

قومی اسمبلی پاکستان ۱۹۷۴ء میں قادیانی مسئلہ

پر بحث کی مصدقہ رپورٹ قسط 74

(مرزا قادیانی کا کلام، دیگر انبیاء کے کلام کی طرح کلام الٰہی ہے)

جناب یحییٰ بختیار: یہ ہے جی ''ایک غلطی کا ازالہ'' اس سے: ''اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہوکر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے، وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰa پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۶، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۰)

مرزا ناصر احمد: ہاں، یہ ٹھیک ہے، غالباً۔

جناب یحییٰ بختیار: اب، مرزا صاحب! آپ اس پر ذرا کچھ روشنی ڈالیں کہ جب مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ: ''میں بیت اللہ میں کھڑے ہوکر قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے......'' ایک نبی کی حیثیت سے بول رہے ہیں: ''مجھ پر وحی جو نازل ہوتی ہے۔''

''......وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت محمد مصطفیٰa پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔'' یہ ان تینوں سے ایک علیحدہ نبی ہوکے اپنے کلام کا ذکر کر رہے ہیں۔

700 **مرزا ناصر احمد:** نہیں، نہیں، بالکل نہیں۔ قسم یہ کھائی ہے...... مجھے جواب دینے کی اجازت ہے؟

جناب یحییٰ بختیار: ......حضرت عیسیٰ کا ذکر کر رہے ہیں......

مرزا ناصر احمد: مجھے جواب دینے کی اجازت ہے؟

جناب یحییٰ بختیار: ......یہی کہہ رہے ہیں کہ ''میں وہی مسیح ہوں''......

مرزا ناصر احمد: ہاں، آپ سوال پورا کرلیجئے۔

جناب یحییٰ بختیار: ......اور ساتھ کہہ رہے ہیں کہ ''وہ وحی جو محمدؐ پر آتی ہے۔ یہ میری وحی ویسی ہی پاک ہے۔ یہ میری وحی ویسی ہی پاک ہے جو عیسیٰ پر آئی، جو موسیٰ پر آئی۔''

تو تین نبیوں کا ذکر کرکے ''میں چوتھا نبی ہوں'' میرا یہ اندازہ ہے کہ یہ مطلب تھا ان کا۔ آپ مزید تفصیل سے اس کو اگر کرنا چاہیں تو......

مرزا ناصر احمد: آپ نے یہاں صرف منبع وحی کی بات کی ہے۔ کیفیت وحی کی بات نہیں کی۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ جس چشمہ سے قرآن عظیم جیسی عظیم ہدایت نکلی، جاری ہوئی، وہی مجھ سے بات کرنے والا ہے۔ یہ نہیں بتاتے کہ ''قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق یہ اس کے برابر میری وحی ہے۔'' کہتے...... یہاں یہ بتا رہے ہیں دنیا کو کہ ''میں ہر قسم کی قسم کھانے کے لئے تیار ہوں کہ میری وحی شیطانی وحی نہیں، بلکہ الٰہی وحی ہے۔'' محمدؐ کی وحی کے مقابلے میں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کو کس طرح رکھا جا سکتا ہے؟ اگر جو آپ استدلال کر رہے ہیں وہ کریں تو ہم تو کافروں سے بھی بڑھ کر کافر بن جاتے ہیں۔

جناب یحییٰ بختیار: نہیں، نہیں، مرزا صاحب! میرا یہ مطلب نہیں......

مرزا ناصر احمد: صرف چشمہ وحی......

جناب یحییٰ بختیار: ......میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ یہ فرما رہے ہیں کہ ''میری وحی ان سے بہتر وحی ہے۔'' نہیں، میں نے یہ نہیں کہا۔ ''یہ بھی اللہ کی طرف سے آئی ہوئی وحی ہے۔'' وہ یہ کہہ رہے ہیں۔

مرزا ناصر احمد: ''ویسی ہی سچی ہے۔''

جناب یحییٰ بختیار: ہاں، ''سچی وحی ہے اور ایسی پاک ہے جو اللہ نے محمدؐ پر بھیجی۔''

701 مرزا ناصر احمد: جو وحی اللہ کی طرف......

جناب یحییٰ بختیار: میرا ایک پوائنٹ تھا......

مرزا ناصر احمد: اچھا جی!

جناب یحییٰ بختیار: ......وہ یہ تھا کہ یہ ایک مختلف وحی ہے۔ یہ **Emphasise** کر رہے ہیں کہ یہ ایک مختلف وحی ہے جو ایک مختلف نبی پر آتی ہے۔ یہ مضمون ظاہر کر رہا ہے کہ نہیں؟

مرزا ناصر احمد: وحی جو ہے اللہ تعالیٰ کی، ہمارے عقیدے کے مطابق ان انبیاء پر بھی نازل ہوئی جو کوئی شریعت نہیں لائے تھے۔ ہمارے نزدیک، ہمارے عقیدہ کے مطابق خدائے پاک کے پاک الفاظ میں وحی امت محمدیہ کے صلحاء پر بھی نازل ہوئی۔ جہاں تک ان کی پاکیزگی کا سوال ہے۔ اللہ کا تعلق ہے۔ چشمہ وحی سے یعنی *Source* اس کا کیا تھا۔ اگر وہ اللہ کا کلام ہے تو اللہ کے کلام کے متعلق یہ کہنا کہ خدا کے کلاموں میں یہ فرق کرنا پڑے گا کہ بعض زیادہ پاک اور بعض کم پاک ہیں۔ ہماری عقل میں تو نہیں آتی یہ بات۔ جو خدا کی طرف سے آئی بات، وہ خدا کی طرف سے آنے والی تمام باتوں کے مطابق اپنے پاک چشمہ کی وجہ سے ایک جیسی ہے۔ لیکن اپنی کیفیت میں بڑا اختلاف رکھتی ہے۔

جناب یحییٰ بختیار: مرزا صاحب! معاف کیجئے، میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ باقی وحی پاک نہیں ہے یا ان کی وحی، پاک نہیں ہے۔ اس میں تو کوئی **Dispute** نہیں ہے۔ جہاں

تک...... مضمون بڑا صاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''میری وحی بھی ویسی ہی پاک ہے جیسی باقی انبیاء کو وحی ملی ہے'' جن کا وہ ذکر کرتے ہیں۔ میں تو یہ عرض کرر ہا ہوں کہ یہ مضمون یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ان پر مختلف وحی آئی، ایک مختلف نبی کی حیثیت سے۔

مرزا ناصر احمد: یہ نہیں ظاہر کر رہا ہے۔

جناب یحییٰ بختیار: ابھی میں پھر پڑھتا ہوں......

مرزا ناصر احمد: نہیں، نہیں، میں[1]......

Mr. Yahya Bakhtiar: ......

مرزا ناصر احمد: میرا جواب سن لیجے۔ آپ نے اس جگہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کا نام لیا ہے۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی وحی، موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو منسوخ کرنے والی نہیں ہے اور[702] یہ خود مثال بتا رہی ہے کہ کیا مطلب ہے۔ وہ مطلب نہیں جو اس کا لیا جا سکتا ہے، کوئی اور لے لے اس کا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو وحی نازل ہوئی اس نے شریعت موسویہ کو منسوخ نہیں کیا۔ بلکہ شریعت موسویہ کی تائید کرنے والی اور شریعت موسویہ کو بنی اسرائیل کے اندر مستحکم کرنے کے لئے اور جاری کرنے کے لئے اور ان کو ان کی زندگیوں میں، بنی اسرائیل کی زندگیوں میں موسوی شریعت کو قائم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ کی ساری وحی تھی، کوئی شریعت نہیں تھی۔

جناب یحییٰ بختیار: نہیں، کوئی نئی شریعت نہیں تھی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نئی شریعت تھی۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام ایک مختلف نبی تھے اور اپنی وحی ان پر مختلف آئی جو موسیٰ علیہ السلام پر آئی تھی۔ سوال یہ ہے۔ مختلف۔ سوال یہاں پیدا ہوتا ہے کہ یہ امت......

مرزا ناصر احمد: اختلاف معنوی......

جناب یحییٰ بختیار: ...... محمد یہ کا نبی ہے۔ ''اسی طرح جیسے موسیٰ اور عیسیٰ مختلف تھے، میں یہ کہتا ہوں کہ میں اور محمد a مختلف تھے۔'' یہ مضمون ظاہر کر رہا ہے کہ نہیں؟ اور یہ کہہ رہا ہے کہ ''جو مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے، وہ وحی نہیں ہے جو محمد a پر نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح پاک ہے۔''

مرزا ناصر احمد: اختلاف معنوی اگر لیا جائے تو نہیں، لیکن اختلاف لفظی لیا جائے تو ٹھیک ہے۔

جناب یحییٰ بختیار: ہاں جی، لفظی ہے۔

[1] قادیانی حضرات مرزا ناصر احمد کی بے قراری ملاحظہ کریں کہ وہ کس طرح مرزا کی عبارت سے جان چھڑانے کے درپے ہیں۔ لیکن ریچھ کا کمبل ان کو نہیں چھوڑتا۔

مرزا ناصر احمد: نہیں، لفظی اختلاف، یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، جن کو ہم امتی نبی سمجھتے ہیں، ان کو وحی کے ذریعہ یہ کہا گیا کہ :یقیم الدین ......ان کے متعلق یہ کہا گیا کہ دین اسلام کو قائم کرنا اور مسیحی......"یقیم الدین ویحی الدین ویقیم الشریعه "اور شریعت محمدیہ کا احیاء کرنا۔اس......یہ اس کے سپرد کام ہے، اور اسی منصب کے ماتحت اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوگی جو لوگوں پر شریعت محمدیہ کے، جو روشن اس کی تعلیمات ہیں۔ان کو کھول کر بیان کرے گی، اور نئے زمانے کے نئے مسائل کو شریعت محمدیہ، قرآن عظیم کی روشنی میں، اس وحی سے روشنی پا کر وہ دنیا پر ثابت کرے گا کہ دین اسلام سچا ہے۔

(دین کو قائم کرنے کے لئے نبی کی ضرورت نہیں)

[703] جناب یحییٰ بختیار: مرزا صاحب! کیا یہ فرض نبی کا دعویٰ کئے بغیر کوئی شخص نہیں کرسکتا؟

مرزا ناصر احمد: کرسکتا ہے۔

جناب یحییٰ بختیار: کرسکتا ہے؟

مرزا ناصر احمد: بالکل کرسکتا ہے۔یہ......

جناب یحییٰ بختیار: چونکہ آپ نے کل فرمایا کہ وحی تو اور بزرگ ہو، ولی ہو......

مرزا ناصر احمد: یہ کرسکتا ہے۔لیکن چونکہ آپ نبی تھے۔اس لئے آپ نے وہ مثالیں دے دیں۔

جناب یحییٰ بختیار: نہیں، میں نے ویسے ہی......

مرزا ناصر احمد: جی، بالکل کرسکتا ہے۔ہر......

جناب یحییٰ بختیار: اگر تو پھر شریعت وہی ہے......

مرزا ناصر احمد: جی۔

جناب یحییٰ بختیار: ......اور امت محمدیہؐ کے ہیں وہ، اور وہ کام کرنے کے لئے صرف آئے ہیں جو صرف ایک اور اولیاء کی حیثیت سے، محدث کی حیثیت سے
، بزرگ کی حیثیت سے، اللہ کی وحی کے ذریعہ روشنی حاصل کرنے کے بعد کرسکتے تھے تو پھر اس نبوت کا فائدہ کیا ہے؟اس کا اللہ کا مطلب کیا تھا؟

مرزا ناصر احمد: دیکھیں نا، ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو "نبی" کہا اس لئے اس عقیدے

کے بعد میں یہ جرأت کیسے کرسکتا ہوں کہ اللہ نے کیوں ایسا کیا۔ یہ تو اللہ ہی بتا سکتا ہے۔

جناب یحیٰی بختیار: ہاں، مرزا صاحب! میں اس پر ذرا تھوڑی دیر کے بعد کچھ اور سوال پوچھوں گا، کیونکہ کئی سوالات آتے ہیں اور اس سے ہم کسی اور ہی چیز میں چلے جاتے ہیں۔ میری کوشش ہے اور آپ کو بھی تکلیف دی، اتنے دنوں تک یہ چیز چل رہی ہے۔ پھر سوال اور آتے ہیں جن کی طرف میں بعد میں آؤں گا، کہ جو مہدی نے آنا تھا یا مسیح نے آنا تھا، اس کے بارے میں حدیث میں کیا ہے، حضرت مریم کے بیٹے ہوں گے، دمشق میں آئیں گے، یہ چیزیں جو ہیں۔ میں اس اسٹیج پر نہیں جاتا۔

[704] کیونکہ اس میں مجھے معلوم ہے کہ آپ کے بھی اپنے جواب ہیں۔ مگر ہم ریکارڈ کے لئے یہ چیزیں...... تاکہ کوئی غلطی نہ ہو۔ Clarification (وضاحت) کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے بعد میں کچھ سوالات پوچھوں گا۔

(Interruption)

جناب یحیٰی بختیار: مرزا صاحب! ایک اور مضمون تھا جس کے متعلق میں نے آپ سے کچھ سوالات پوچھے تھے اور میں نے عرض کیا تھا کہ میری سمجھ کے مطابق جو میں نے آپ کا لٹریچر تھوڑا بہت پڑھا ہے یا جو مجھے سوالات دیئے ہیں اسمبلی کے ممبران صاحبان نے پوچھنے کے لئے، ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ...... کہ آپ......

(Interruption)

Mr. Yahya Bakhtiar: *Mr. Chairman, I request that the members should pay attention because my question...... I will wait till they have concluded the discussion, then I will proceed.*

(جناب یحیٰی بختیار: جناب چیئرمین صاحب! میں اراکین سے درخواست کروں گا کہ وہ میرے سوال اور بحث کی طرف متوجہ ہوں۔ وہ آپس میں بحث و مباحثہ کریں۔ اس وقت تک میں کارروائی روک لوں گا اور اس کے بعد مزید کارروائی ہوگی)

(pause)

جاری ہے۔

غذا اور صحت

(Nurtition and Health)

(ڈ) کھانے میں تنوع اور لطف پیدا کریں

کھانے میں تنوع پیدکر کے ایسے تمام ضروری غذائی اجزاء شامل کیے جاسکتے ہیں جو کہ صحت کیلئے بہت ضروری ہیں۔اس مقصد کیلئے فوڈ پیرامڈ سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

(ر) وزن مناسب رکھنے کیلئے اعتدال سے کھائیں

ایسے افراد جوضرورت سے زائد کھانے کے عادی ہوں اُن کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے ورنہ وہ اس کے عادی ہوجاتے ہیں۔اسی طرح بچوں کو بھی ٹھونس کرنہ کھلائیں ایسا کرنے سے اُن کی غذائی عادات متاثر ہوجاتی ہیں۔جو بڑا ہونے پراُن کیلئے کئی دیگر مسائل کا باعث بنتی ہیں۔

جس طرح مرغن کھانوں اور مٹھائیوں کا زائد استعمال صحت کیلئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اسی طرح خوراک کا بے حد کم استعمال بھی خطرناک ہوسکتا ہے کیونکہ بدن کی کم سے کم غذائی ضروریات کی عدم تشفی سے کئی امراض جنم لیتے ہیں۔

غذائی ہدایت نامہ لوگوں کو صحت منداور بھرپور زندگی گزارنے میں بہت مدد فراہم کرے گا۔یہ ان امراض میں کمی کا بھی باعث ہوگا جوضرورت سے زائد یا کم غذائیت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔یوں یہ غذائی ہدایت نامہ صحت مندی کی ضمانت ہوگا جس میں صحت مند جسم اور صحت مند ذہن دونوں شامل ہیں۔

غذائی عادات

کھانے کی عادات اگرچہ ابتداء سے ہی انتہائی پیچیدہ ہوتی ہیں تاہم کرداری، ماحولی اور عضویاتی عوامل باہمی طور پر کھانے کی عادات کو متاثر کرتے ہیں کیونکہ یہ زندگی کے ابتدائی تجربات سے اخذ کی جاتی ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ غذائی عادات پر حسی، جمالیاتی، معاشی، جغرافیائی، سماجی اور تہذیبی عوامل بھی

اثر انداز ہوتے ہیں۔

غذائی عادات ہمیشہ ایک سی نہیں رہتیں بلکہ شخصی رویوں، اقدار اور ماحولی ضروریات کے مطابق بدلتی رہتی ہیں۔ بہت سے عوامل مل کر فرد کی غذائی عادات پر اثر انداز ہوتے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(i) معاشی عوامل

فرد کی آمدنی نہ صرف غذا کے تنوع کو متاثر کرتی ہے بلکہ مختلف غذائی گروہوں پر مبنی خوراک کے حصول پر شدت سے اثر انداز ہوتی ہے۔ عموماً کم آمدنی والے افراد ایسی کم قیمت غذائی اجناس پر زیادہ انحصار کرتے ہیں جو غذائیت اور حراروں سے بھرپور ہو۔

کثیر آمدن والے افراد مختلف النوع خوراک کا استعمال باافراط اور آزادی سے کر سکتے ہیں۔ خوراک تازہ ہو یا ڈبوں میں محفوظ، بے موسمی ہو یا موسم کے مطابق انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر ضروری نہیں کہ ایسے افراد کو انواع و اقسام کی خوراک کے حصول کے ساتھ ساتھ متوازن خوراک کے اصولوں سے آگہی بھی حاصل ہو۔

(ii) تہذیبی اور سماجی عناصر

انسانوں میں فطری طور پر یہ صلاحیت موجود نہیں ہوتی کہ وہ اپنے لیے بہتر خوراک کا انتخاب کر سکیں۔ فرد عوام طور پر اسی خوراک پر اکتفا کرتا ہے جو اُسے اس کے ماحول میں آسانی سے دستیاب ہو۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کلچر سے مراد رہن سہن کے وہ انداز ہیں جن کو مختلف گروہ تشکیل دیتے ہیں۔ اگر یہ نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ غذا کے انتخاب میں ان تہذیبی روایات کے ساتھ ساتھ مذہب، عقائد اور غذا کی اپنی خصوصیات بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں خوراک کا انتخاب کرتے وقت مذہبی اصول و ضوابط کو مدنظر رکھا جاتا ہے کیونکہ ہر مذہب میں کچھ چیزیں ناپسندیدہ، مکروہ یا ممنوع سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً ہندو مذہب میں گوشت کا استعمال ممنوع ہے جبکہ اسلام میں سور کا گوشت اور شراب حرام ہیں۔ گویا مختلف مذاہب خوراک کے چناؤ پر مختلف انداز سے اثر انداز ہوتے ہیں۔

ممنوعاتِ خوراک

وہ غذائی اجزاء جن کا معاشرے میں آزادانہ استعمال نہیں کیا جا سکتا ممنوعات خوراک کہلاتے ہیں۔اس سے مراد خوراک کی وہ اقسام ہیں جنہیں کھانے سے عموماً پرہیز کیا جاتا ہے۔یہ ممنوعات بھی تہذیبی رسومات کی وجہ سے ہر معاشرے میں مختلف ہوتی ہیں۔یہ ممکن ہے کہ ایک معاشرے کا ممنوعہ کھانا دوسرے معاشرے میں انتہائی پسندیدہ ہو۔مثلاً ہمارے ہاں کتے کا گوشت کھانے کا گمان بھی محال ہے جبکہ چین میں یہ عیاشی ہے،اسی طرح مینڈک،سانپ،چھپکلی،کیڑے مکوڑے اور دیگر چھوٹے چھوٹے حشرات الارض ہمارے لیے باعث کراہت ہیں مگر مختلف علاقوں میں شوق سے کھائے جاتے ہیں۔

فرد بچپن سے ہی امتناعاتِ خوراک کے بارے میں جان لیتا ہے اور پھر عمر بھر ان کی پابندی کرتا ہے۔چاہے ان کی بنیاد مذہب،توہمات یا عقائد پر ہو یا تہذیبی رسوم رواج پر۔

(i) خاندان اور طرزِ طعام

کھانے کا انتخاب اور تیاری عموماً والدہ کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔لہٰذا غذائی اہمیت کے بارے میں والدہ کی آگہی افرادِ خانہ کے کھانے کی عادات اور صحت کو متاثر کرتی ہے۔والدین جس ماحول میں بچے کی پرورش کرتے ہیں۔وہ ماحول غذائی انتخاب کے عمل کو متاثر کرتا ہے۔اس ضمن میں جغرافیائی خطہ،تعلیمی معیار،آمدنی اور غذا کے بارے میں دیگر عقائد بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

(ii) لذیذ کھانے،پسندیدگی اور ناپسندیدگی

خوش ذائقہ اور لذیذ کھانے سب گھر والے شوق سے کھاتے ہیں۔بریانی،پلاؤ کھیر،حلیم جیسے کھانوں میں تمام افرادِ خانہ کی رغبت بڑھ جاتی ہے۔غذائی عادات کسی فرد کی پسند اور ناپسند پر بھی منحصر ہیں۔

(iii) دستیابی خوراک

سرعت رفتار ذرائع ابلاغ کی بدولت دنیا کے مختلف علاقوں میں رہنے والے افراد کی غذائی عادات تیزی سے تبدیل ہو رہی ہیں۔ہمارے کلچر میں فاسٹ فوڈز کا بے تحاشا استعمال اس کی بہترین مثال ہے۔

خوراک کو محفوظ کرنے کی صنعت نے جدید دور میں بہت ترقی کی ہے۔جس نے ہماری غذائی عادات کو بھی کسی حد تک متاثر کیا ہے۔ہمارے معاشرے میں فوری تیار ہونے والی غذائیں تیزی سے

مقبولیت حاصل کر رہی ہیں۔چکن کیوبز،انسٹنٹ حلیم، کھیر،نوڈلز،آئس کریم،مرغی کا تیار شدہ بھنا،ابلا اور گلا ہوا گوشت، تیار شدہ کوفتے،کباب اور سموسوں کا ہر جگہ بآسانی دستیاب ہونا ان کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

(iv) سماجی اقدار

مختلف تقریبات میں مل جل کر کھانا کھانے سے بھی غذائی عادات متاثر ہوتی ہیں۔بچے بالخصوص اپنے ہم عمروں کے ساتھ مل کر کھانا پسند کرتے ہیں اور اُن کی غذائی عادات شوق سے اپناتے ہیں۔بعض اوقات بچے اپنے پسندیدہ کھانوں سے صرف اس لیے گریز کرنے لگتے ہیں کیونکہ وہ کھانے اُن کے ہم جولیوں کو پسند نہیں ہوتے۔اہم مواقع اور تہواروں پر خاندان میں شاندار پکوان تیار کے مہمانوں کو کھانے اور کھلانے میں فخر محسوس کیا جاتا ہے۔عید اور شادی بیاہ کے موقع پر پُر تکلف کھانوں کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے مثلاً عید پر شیر خُرمہ،شبِ برات پر حلوہ پوری،شادیوں پر زردہ، پلاؤ، بریانی، کباب، روسٹ یا قورمہ، باربی کیو کا اہتمام کر کے مہمانوں کی تواضع کی جاتی ہے۔

(v) عمر اور جنس کا غذائی عادات پر اثر

کچھ کھانوں کو عمر کے مخصوص حصوں میں زیادہ ترجیح دی جاتی ہے۔جبکہ کچھ کھانوں کو لڑکوں کی نسبت لڑکیوں کیلئے زیادہ موزوں سمجھا جاتا ہے۔نوعمر فاسٹ فوڈ زیادہ پسند کرتے ہیں جبکہ ہمارے بزرگ ان کو خاص اہمیت نہیں دیتے مگر اس کی وجہ صرف عمر ہی نہیں بلکہ صحت سے متعلقہ دیگر مسائل بھی ہو سکتے ہیں۔مثلاً خاتونِ خانہ، کھلاڑی، جسمانی مشقت کرنے والے افراد، دفتری کام کرنے والے افراد، بچے اور نوزائدہ بچے کی ماں یا حاملہ کی خوراک ان کی ضروریات کے حوالے سے مختلف ہونی چاہیے۔

(vi) ہیجانی اظہار اور غذا

ہیجانی کیفیات اور ہمارے کھانے کی عادات کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔مناسب خوراک زندگی یں پیش آنے والی مالی پریشانیوں سے نجات دلاتی ہے۔کچھ لوگوں کی کھانے میں رغبت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب وہ بے اطمینانی کا شکار ہوں، امتحانوں کی تشویش میں مبتلا ہوں یا تنہائی اور احساس ناکامی میں گھرے ہوئے ہوں جبکہ انہی حالات میں کچھ لوگوں کا رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔جس کے نتیجے میں کچھ لوگوں کا وزن ضرورت سے زیادہ بڑھ جاتا ہے۔جبکہ کچھ لوگ کمزور اور لاغر ہو جاتے ہیں۔

خواتین کے صفحات

خادمۃ القرآن

بچے اگر ناجائز کام کے لیے ضد کریں:

اگر سچ مچ بچے ضد ہی کرتے ہیں تب بھی یہ عذر قابل قبول نہیں، دیکھو اگر تمہارا بچہ باغیوں میں شامل ہو کر گولا چھوڑنے لگے تو تم اس کو روکو گے یا نہیں؟ ضرور روکو گے اگر نہیں مانے گا تو زبردستی روکو گے۔ اسی طرح یہاں کیوں نہیں روکا جاتا۔

اگر تم خود معصیت کو برا سمجھتے ہو تو بچوں کو اس کی عادت کیوں ڈالتے ہو، بھلا بچے اگر ضد کر کے سانپ مانگنے لگیں تو کیا دے دو گے؟ پھر جس کو خدا اور رسول نے مضر (گناہ) فرمایا ہے کیا وجہ ہے کہ اس کی عادت ڈالی جاتی ہے، معلوم ہوا کہ خدا اور رسول کے فرمان کی عظمت نہیں۔

بچوں کو آتش بازی کے لیے پیسے دینا شرعاً حرام ہے، تم دینے والے کون ہوتے ہو، یہ مال تمہارا کہاں ہے، سب خدا ہی کی مل ہے تم محض خزانچی ہو ہمیں یہ اجازت نہیں کہ اس کو جیسے چاہیں خرچ کریں، خدا کا مال ہے اس کے متعلق قیامت میں سوال ہوگا کہ تم نے کہاں خرچ کیا پس بچوں کو آتش بازی اور ناجائز کام کے لیے پیسے ہرگز مت دو اور ضد کرنے پر مارو، ناجائز کھیل تماشہ کے پاس بھی ان کو مت کھڑا ہونے دو۔

ایک بچہ والدین سے ضد کرنے لگا کہ میں وہ چیز کھاؤں گا وہ بھی لا کر رکھ دی، جب ساری ضدیں پوری ہو گئیں تو کہنے لگا یہ چاند کیوں نکل رہا ہے۔ اس کو چھپاؤ والدین یہاں عاجز ہو گئے اور دو چار طمانچے مار کر اسے خاموش کیا۔

ایک عبرتناک واقعہ:

صاحبو! بزرگوں نے تو بچوں کو ایسی ایسی عادت ڈالی ہے کہ جس سے ان کو دولتیں مل گئیں اور تم ایسی عادتیں ڈالتے ہو جس سے دنیا اور دین دونوں تباہ ہوں۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کا ایک لڑکا تھا بالکل کمسن (نوعمر) انہوں نے بیوی سے شروع ہی سے کہہ رکھا تھا کہ اگر یہ کوئی چیز مانگے تو اپنے ہاتھ سے مت دو بلکہ اس کی ضرورت کی چیزیں ایک جگہ اس سے پوشیدہ رکھ دو، جب یہ کوئی چیز

مانگے تو اس سے کہہ دو کہ وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے مانگو اور ہاتھ ڈال کر لے لو تا کہ اس کا یہ اعتقاد ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے دی ہے۔

ایک روز اتفاقاً اس کے لیے کھانا رکھنا بھول گئی، اس روز بھی بچہ نے حسب معمول اللہ تعالیٰ سے کھانا مانگا اور ہاتھ ڈالا تو کھانا غیب سے پیدا ہو گا۔ ان بزرگ کو خبر ہوئی، کہنے لگے الحمدللہ میں اسی کا منتظر تھا، اس کے بعد عمر بھر اس بچے کی یہی حالت رہی کہ جب اس کو ضرورت ہوتی تو خدا تعالیٰ سے مانگتا اور وہ چیز مل جاتی۔ ان بزرگ نے بچپن ہی اس کو صاحب کمال بزرگ بنا دیا۔ خیر ہم ایسے نہ ہوں تو بچوں کو معاصی (گناہوں اور گندے کاموں) میں مبتلا نہ کریں۔ غرض اس بارے میں نہایت اہتمام کی ضرورت ہے۔

اولاد کی زیادہ محبت عذاب ہے:

اولاد کا وبال جان ہونا آپ کو اس حکایت سے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے ایک والی ملک کی بیٹی کو دیکھا ہے کہ ان کو اپنے بیٹوں سے اس قدر محبت تھی کہ وہ رات کو سب کو ساتھ لیکر لیٹتی تھی، علیحدہ کر کے ان کو چین ہی نہ آتا تھا پھر جب بچے زیادہ ہو گئے اور ایک پلنگ پر نہ آسکے تو انہوں نے پلنگ پر سونا چھوڑ دیا۔ سب کو لے کر نیچے زمین میں فرش پر سویا کرتی تھیں اور اس پر بھی اعتبار نہ آیا بلکہ کسی پر ہاتھ رکھ لیتی اور کسی پر پیر اور رات کو بار بار آنکھ کھلتی اور بچہ کو ٹٹول کر دیکھ لیا کرتیں۔ واقعی یہ محبت تو عذاب ہی ہے۔

میں نے ایک بڑی بی کو دیکھا جو اپنے بچوں کو بہت زیادہ چاہتی تھی، رات کو سب بچوں کو اپنے ہی پلنگ میں لے کر سوتی تھیں، جب اولاد زیادہ ہو گئی تو پلنگ کے بجائے فرش پر سب کو لے کر سوتی تھی اور رات کو یہ حالت تھی کہ بار بار اٹھ کر سب کو ہاتھ سے ٹٹولتی تھیں کہ سب زندہ بھی ہیں یا نہیں اور اگر ذرا بھی کسی کو تکلیف ہو گئی تو بس ساری رات کی نیند اڑ گئی۔ تو بھلا اس صورت میں یہ اولاد عذاب کا ذریعہ نہیں تو کیا ہے۔ خدا کی قسم! راحت میں وہ ہے جس کے دل میں صرف ایک کی محبت ہو۔ وہ ایک کون اللہ تعالیٰ ہے۔

مردوں کی ذمہ داری:

ہماری بدحالی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے عورتوں کو اپنے گھر کا حاکم بنا دیا ہے۔ اگر چہ یہ چھوٹی سی حکومت ہے مگر اس کا نتیجہ بھی خراب ہی ہے (مثلاً بیاہ شادی کی ساری رسمیں عورتوں ہی کی خواہش سے پوری کی جاتی ہیں) جس کا انجام ظاہر ہے کہ کیا ہوتا ہے کس قدر خاندان شادی کی رسموں

میں تباہ ہو گئے اور یہ سارا فساد عورتوں کے حاکم بنانے کا ہے، عورتوں کی دلجوئی کرنا ضروری ہے مگر ان کا تابع بننا برا ہے۔

اس وقت سارا مال اولاد عورتوں کے قبضہ میں ہم نے کر دیا ہے، پھر دیکھ لیجئے کہ روپیہ کس طرح بے موقع صرف ہوتا ہے اور بچوں کی صحت خراب اخلاق تباہ ہو رہے ہیں، عورتیں بچوں کو جو چاہیں کھلاتی پلاتی ہیں جس سے ان کی زندگی بیماری میں گنتی ہے، محبت و پیار حد سے زیادہ کرتی ہیں، جس سے لڑکے شوخ ہو جاتے ہیں اس لیے اپنے مال و اولاد کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہیے۔ عورتوں کو حاکم بنا دینا سخت تنزلی کا باعث ہے جس کو جناب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم سے فرما گئے کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہ ہوگی جس کی حاکم عورت ہو۔

بچوں کی شوخ مزاجی اور ایک حکایت:

بچوں کی شوخی اعتدال (اور تہذیب) کے خلاف نہیں کیونکہ بچپن کا مقتضی یہی ہے کہ بچہ بچوں کی طرح شوخ ہو، باوادادا کی طرح متین (اور سنجیدہ) نہ ہو۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ علیہ نے ایک مرید سے فرمایا کہ تم اپنے بچوں کو ہمارے پاس نہیں لاتے وہ بیچارہ کچھ بہانے کر دیتا کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ مرزا صاحب بہت نازک مزاج ہیں اور بچے شوخ مزاج ہوتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ ان کی کسی حرکت سے آپ کو تکلیف پہنچے جب آپ نے کئی بار تقاضا کیا تو تین چار دن ٹال کر وہ اپنے بچوں کو لائے اور اس مدت میں ان کو خوب تعلیم دی کہ اس طرح سر جھکا کر بیٹھنا۔ یوں ادب کرنا، مجلس میں ادھر ادھر نہ دیکھنا۔ بچوں نے اسی طرح کیا کہ سلام کر کے بت کی طرح خاموش بیٹھ گئے۔ نہ نگاہ اوپر اٹھائی نہ کوئی بات کی اب مرزا صاحب ان کو کھولنا چاہتے ہیں تو کھلتے نہیں۔ مرزا صاحب نے مرید سے فرمایا کہ میاں تم آج بھی اپنے بچوں کو نہ لائے۔

اس عرض کیا حضرت یہ حاضر تو ہیں، فرمایا یہ بچے ہیں؟ یہ تو تمہارے بھی ابا ہیں بچے تو کھیلتے ہیں، کودتے ہیں۔ شوخیاں کرتے ہیں کوئی ہماری ٹوپی اتارتا۔ کوئی کمر پر سوار ہوتا، بچے تو ایسے ہوتے ہیں اور یہ تو تمہارے ابا بن کر بیٹھ گئے۔

بچوں کے صفحات

بیکری والا

حامد شہر سے تھوڑی دور ایک گاؤں میں رہتا تھا گاؤں کے بازار میں اس کی ایک بیکری تھی۔ گاؤں کے اکثر لوگ اسی بیکری سے سامان خریدتے تھے کیونکہ اس کی بیکری کی چیزیں تازہ ہوتی تھیں۔

حامد ایک لالچی اور کنجوس شخص تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت دولت سے نوازا تھا لیکن وہ اس دولت میں سے غریبوں پر کچھ بھی خرچ نہیں کرتا تھا بلکہ ہر وقت اس فکر میں رہتا تھا کہ کس طرح اس کی دولت میں اضافہ ہو جائے۔

اسی گاؤں میں ایک آدمی ہارون رہتا تھا وہ بہت غریب تھا۔ ایک دن ہارون حامد کی بیکری کے باہر سے گزر رہا تھا اسے بے حد بھوک لگی ہوئی تھی اور جیب میں ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ حامد کی بیکری سے تازہ ڈبل روٹیوں کی خوشبو آرہی تھی۔ ہارون بیکری کے باہر کھڑا ہو کر ڈبل روٹیوں کی خوشبو سونگھنے لگا۔

حامد بیکری میں بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور بیکری سے باہر آکر ہارون کو پکڑ لیا اور کہا کہ تم نے میری بیکری سے آنے والی خوشبو کو سونگھا ہے اس لیے تم اس کے پیسے دو۔ ہارون بہت پریشان ہوا کیونکہ اس کے پاس تو پیسے ہی نہ تھے۔

اس نے حامد سے کہا بھائی حامد میں نے تم سے کوئی چیز تو نہیں خریدی کہ میں تم کو پیسے دوں میں نے تو صرف خوشبو سونگھی ہے اور خوشبو سونگھنے کے پیسے نہیں ہوتے۔ اب تو حامد غصے

سے چلانے لگا۔

لوگ جمع ہوگئے لوگوں نے بھی سمجھایا کہ ظلم مت کرو ظلم کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ ظالم کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

لیکن حامد نہ مانا اور اس نے کہا کہ ہمارا فیصلہ قاضی صاحب (جج صاحب) کریں گے اور یہ کہہ کر وہ ہارون کو لے کر عدالت کی طرف روانہ ہوا۔ ہارون نے راستہ میں اپنے بھائی زاہد کو بھی بلا لیا کہ وہ بھی اس کے ساتھ چلے اور اس کی مدد کرے۔

زاہد ایک سمجھدار اور عقلمند آدمی تھا وہ جانتا تھا کہ حامد بہت ہی لالچی آدمی ہے۔ یہ تینوں قاضی کے پاس عدالت پہنچے۔

حامد نے قاضی سے کہا جناب والا! اس شخص (ہارون) نے میری بیکری کی چیزوں کی خوشبو کو سونگھا اور اب یہ اس کے پیسے نہیں دے رہا آپ انصاف کریں اور مجھے میرا حق اس سے دلوایئے۔

زاہد حامد کی بات سن رہا تھا وہ آگے بڑھا اور قاضی صاحب سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں اس کی اجرت ادا کر دوں۔ قاضی صاحب نے اجازت دے دی، زاہد نے جیب سے سکوں سے بھری ہوئی تھیلی نکالی اور حامد کے قریب تھیلی کو ہلایا جس سے سکوں کی چھن چھن پیدا ہوئی۔

حامد نے کہا ہاں! زاہد نے کہا یہی آواز کا سننا اجرت ہے اس سونگھنے کی جو ہارون نے سونگھا۔

قاضی صاحب زاہد کی عقلمندی سے بہت خوش ہوئے اور ہارون کو آزاد کر دیا اور پورے شہر میں اعلان کروا دیا کہ حامد ایک لالچی آدمی ہے۔

اب جو لوگ پہلے حامد سے محبت کرتے تھے اس کی لالچ اور غریبوں پر ظلم کرنے کی وجہ سے اس سے نفرت کرنے لگے۔

فیصل آباد کے قدیم اور تاریخی مدرسہ

بڑھتی ہوئی بجلی کی ضروریات اور مہنگائی کے پیش نظر

جامعہ ملیہ اسلامیہ،

مسجد مدرسہ والی، میں

(سولر سسٹم)

کی تنصیب میں تعاون کی ضرورت ہے

شمسی توانائی (سولر سسٹم)

الحمدللہ سولر سسٹم کا ایک حصہ مکمل ہوگیا ہے،

بقایاجات کی ادائیگی کے لئے
بھرپور تعاون کی درخواست ہے

50KW

فوری ضرورت برائے تعاون

6,000,000

ساٹھ لاکھ روپے

تمام حضرات اپنی طرف سے اور عزیز واقارب مرحومین
کی طرف سے خوب حصہ ڈالیں

مولانا جواد الرحمٰن لدھیانوی مہتمم
مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی نائب مہتمم
جامعہ ملیہ اسلامیہ، محلہ خالصہ کالج، فیصل آباد
041-8711569
0300-9657076

Monthly
Magazine
Millia
JAMIA MILLIA ISLAMIA
FAISALABAD PAKISTAN
Reg:M # FD-16

اھم اعلان

ابن انیس نمبر
ماہنامہ ملیہ فیصل آباد

ابن انیس حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ

بانی ماہنامہ ملیہ، مہتمم جامعہ ملیہ اسلامیہ، خلیفہ ومجاز حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ

کی حیات وخدمات پر انشاء اللہ بہت جلد نمبر شائع کیا جائے گا،

تمام شاگرد، متوسلین ومحبین سے گزارش ہے
کہ جلد از جلد اپنے مضامین ارسال فرمائیں

برائے رابطہ:
جامعہ ملیہ اسلامیہ فیصل آباد
محلہ خالصہ کالج، P.O. مدینہ ٹاؤن
041-8711569 0300-9657076
www.milliafsd.com